

نَصْرُ اللَّهِ أَمْرٌ أَسْعَمَ مَنَاحِدَيْتًا فَحَفَظَهُ حَتَّى يَبْلُغَهُ

ماہنامہ

الحديث

حضرو

95

جمادی الاخریٰ، رجب ۱۴۳۳ھ، جون ۲۰۱۲ء

مدیر: حافظ زبیر علی زئی

نماز تراویح کے بعض مسائل اور طریقہ وتر

اہل حدیث کب سے ہیں اور دیوبندیہ و بریلویہ کا آغاز کب ہوا؟

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث اور

تقلید شخصی کی حقیقت آل دیوبند کے اصولوں کی روشنی میں

مسجد میں ذکر بالجہر اور حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ

ساتویں دن کے بعد عقیقہ کرنا، جائز ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حضور، انک: پاکستان

www.ishaatulhadith.com

http://www.facebook.com/maktabahtulhadith

maktabahtulhadith@gmail.com, ishaatulhadith@gmail.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



معاونین

حافظ ندیم ظہیر
ابو خالد شاہ کر
ابو جابر عبداللہ دامانوی

اللہ فُزِّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ

الحديث
ماہنامہ

نضر اللہ امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 9 جمادی الاخریٰ، رجب ۱۴۳۳ھ شماره: 7, 6
مئی، جون ۲۰۱۲ء

اسی
شمارے میں

- فقہ الحدیث..... حافظ زبیر علی زئی 2
توضیح الاحکام..... حافظ زبیر علی زئی 6
سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث...
محمد زبیر صادق آبادی 28
تقلید شخصی کی حقیقت آل دیوبند کے اصولوں کی روشنی میں
محمد زبیر صادق آبادی 56
مسجد میں ذکر بالجہر اور حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ
حافظ زبیر علی زئی 76
ابو یعلیٰ عبداللہ بن عبد الرحمن بن یعلیٰ بن کعب الطائفی...
حافظ زبیر علی زئی 85
ابو حفص عبداللہ بن عیاش القتبانی... حافظ زبیر علی زئی 88
ساتویں دن کے بعد حقیقتہ..... حافظ زبیر علی زئی 90

قیمت

فی شمارہ : 50 روپے
سالانہ : 300 روپے
علاوہ محصول ڈاک
پاکستان : مع محصول ڈاک
400 روپے

خط کتابت

مکتبہ الحدیث

حضر ضلع انک

ناشر حافظ شیر محمد

0300-5288783

مقام اشاعت

مکتبہ الحدیث

حضر ضلع انک

برائے رابطہ

0302-5756937

اضواء المصابیح

اضواء المصابیح فی تحقیق مشکوٰۃ المصابیح

۳۰۶) و عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ : ((إذا وجد أحدكم في بطنه شيئاً فأشكَل عليه، أخرج منه شيء أم لا ؟ فلا يخرجن من المسجد حتى يسمع صوتاً أو يجد ريحاً.)) رواه مسلم .

ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے پیٹ میں کوئی چیز (ہوا) محسوس کرے، پھر اس پر (یہ سمجھنا) مشکل ہو جائے کہ کیا اس کی شرمگاہ سے ہوا نکلی ہے یا نہیں؟ تو جب تک (ہوا نکلتے کی) آواز نہ سنے یا بدبو نہ سونگھے تو مسجد سے باہر نہ جائے۔

اسے مسلم (۳۶۲/۹۹) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحديث:

۱: سبیلین (دُرُ یُقبَل) سے ہوا نکلتے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، چاہے آواز سے نکلے یا بے آواز ہو، تھوڑی نکلے یا زیادہ نکلے، بدبو آئے یا نہ آئے، ان تمام حالتوں میں جب یقین ہو کہ ہوا نکلی ہے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضور: ۲۷-۲۹

۲: اس حدیث میں اس بیمار شخص کا حکم مذکور ہے جسے شک اور وہم کی بیماری ہے اور وہ ہر وقت یہ سمجھتا رہتا ہے کہ کہیں میری ہوا نہ نکلی ہو اور یہ بے چارہ اپنے مرض، شک و شبہ کی وجہ سے مصیبت میں گرفتار رہتا ہے، ایسے مریض شخص کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ شک چھوڑ دے اور جب تک پورا پورا یقین نہ ہو تو نماز پڑھتا رہے۔

اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تھوڑی سی ہوا نکلتے سے وضو نہیں ٹوٹتا، لہذا جو لوگ اہل حدیث یعنی اہل سنت کے خلاف لوگوں کو ہنسوانے کے لئے جھوٹا پروپیگنڈا کرتے رہتے

ہیں، انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں اپنے اقوال و افعال کا حساب دینا پڑے گا اور اس دن کی پکڑ بڑی سخت ہے۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: توضیح الاحکام (۱/۲۲۵-۲۲۹)

۳: شک کو چھوڑ کر ہمیشہ یقین والا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔

۴: شریعت کے ہر حکم میں لوگوں کے لئے خیر ہی خیر ہے۔

۵: ہر مشتبہ کام سے بچنا ضروری ہے۔

۳۰۷) و عن عبد الله بن عباس قال : إن رسول الله ﷺ شرب لبنًا فمضمض وقال : ((إن له دسمًا)) متفق عليه .

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے دودھ پیا، پھر کلی کی اور فرمایا: اس میں چکناہٹ ہے۔

متفق علیہ (صحیح بخاری: ۲۱۱، صحیح مسلم: ۳۵۸/۹۵)

فقہ الحديث:

۱: دودھ پینے کے بعد کلی کرنا سنت ہے۔

۲: ہر وہ چیز جس میں چکناہٹ ہو، اس کے کھانے یا پینے کے بعد کلی کرنا بہتر ہے۔

۳۰۸) و عن بريدة : أن النبي ﷺ صلى الصلوات يوم الفتح بوضوء واحد، و

مسح على خفيه ، فقال له عمر : لقد صنعت اليوم شيئًا لم تكن تصنعه ؟! فقال :

((عمدًا صنعته يا عمر !)) رواه مسلم .

اور بريدہ (بن الحبيب رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ فتح مکہ والے دن نبی ﷺ نے کئی نمازیں

ایک وضو سے پڑھیں اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔ پھر آپ سے عمر (رضی اللہ عنہ) نے کہا: آپ نے

آج ایسا کام کیا ہے جو پہلے نہیں کرتے تھے؟!

تو آپ نے فرمایا: اے عمر! میں نے یہ جان بوجھ کر کیا ہے۔!

اسے مسلم (۸۶/۲۷۷) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحادیث:

۱: ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا ضروری نہیں، بلکہ ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

۲: صحابہ کرام اپنے مقتدا و محبوب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے ہر عمل کو بغور دیکھتے، یاد رکھتے اور مسئلہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں پوچھ لیتے تھے۔

۳: لوگوں کو مسئلہ سمجھانے کے لئے بعض اوقات افضل کے بجائے جائز بات پر بھی عمل کر لینا چاہئے تاکہ دین میں کسی قسم کی تنگی کا تصور باقی نہ رہے اور لوگوں کو جواز بھی معلوم ہو جائے۔

۴: اگر وضو کرنے کے بعد موزے پہنے ہوں تو پھر بعض شرائط کے ساتھ دوبارہ وضو میں ان موزوں پر مسح کرنا جائز ہے اور اسی پر اہل سنت کا اجماع ہے۔

۲۰۹) وعن سويد بن النعمان: أنه خرج مع رسول الله ﷺ عام خيبر حتى إذا كانوا بالصهباء - وهي من أدنى خيبر - صلى العصر - ثم دعا بالأزواد، فلم يؤت إلا بالسويق، فأمر به فثري، فأكل رسول الله ﷺ، وأكلنا، ثم قام إلى المغرب، فمضمض و مضمضنا، ثم صلى ولم يتوضأ. رواه البخاري.

اور سُوید بن النعمان (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ وہ غزوہ خیبر والے سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئے، حتیٰ کہ وہ خیبر کے قریب صہباء (نامی مقام) پر پہنچے تو آپ نے عصر کی نماز پڑھی پھر زارہ منگوا یا تو ستونوں کے سوا کچھ بھی نہیں لایا گیا تھا۔

پس آپ نے حکم دیا کہ انھیں بھگو دیا جائے، پھر رسول اللہ ﷺ اور ہم نے اسے (بھگوئے ہوئے ستونوں کو) کھایا۔

پھر آپ مغرب (کی نماز) کے لئے کھڑے ہوئے، آپ نے کُلی کی اور ہم نے بھی کُلی کی، پھر آپ نے نماز پڑھائی اور دوبارہ وضو نہیں کیا۔

اسے بخاری (۲۰۹) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحادیث:

- ۱: اس حدیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ (اونٹ کے گوشت کی تخصیص کے علاوہ) آگ پر پکی ہوئی ہر حلال چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ نیز دیکھئے ح ۳۰۵
- ۲: رسول اللہ ﷺ کا قول و فعل دونوں حجت ہیں، بلکہ دوسرے دلائل سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جو کہا گیا یا عمل کیا گیا اور آپ نے اس پر انکار نہیں کیا یا ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا تو وہ قول و عمل بھی آپ کی رضا مندی کے حکم میں ہونے کی وجہ سے حجت ہے اور اسے تقریری حدیث کہا جاتا ہے۔
- ۳: صحابہ کرام ہر وقت رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کی اتباع میں تیار و سرشار رہتے تھے، لہذا ثابت ہوا کہ وہ حدیث کو وحی اور واجب الاطاعت سمجھتے تھے۔
- ۴: زاوِراہ لے کر سفر کرنا سنت ہے۔
- ۵: اکٹھے مسافرین کا اپنے سفر میں کھانے پینے کا سامان اکٹھا رکھنے میں برکت ہوتی ہے۔
- ۶: صالحین و اولیاء ہوں یا عوام، کوئی شخص بھی زاوِ سفر سے بے نیاز نہیں ہے، لہذا اس سے ان صوفیہ کا رد ہوتا ہے جو تدبیر کو توکل کے منافی سمجھتے ہیں۔
- ۷: یہ حدیث موطاً امام مالک (روایت یحییٰ ۱/۲۶۱ ح ۴۸، روایت ابن القاسم: ۵۰۰ تحقیقی) میں بھی موجود ہے اور حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے فرمایا: ”هذا حديث صحيح إسناده ثابت معناه“ اس حدیث کی سند صحیح ہے، معنی ثابت ہے۔ (التمہید ۲۳/۱۷۶)
- ثابت ہوا کہ ضرورت کے وقت یا بعض اوقات صحیحین کی حدیث کو بھی ”سندہ صحیح“ یا ”صحیح“ وغیرہ کہا جاسکتا ہے، اگرچہ صحیحین کی تمام مسند متصل مرفوع احادیث یقیناً صحیح یا حسن لذاتہ اور حجت ہیں۔
- ۸: یہ اصول کہ ”فعلى حدیث قولی حدیث کی ناسخ نہیں ہو سکتی“ غلط اور بے دلیل ہے۔
- ۹: پہلے سے تیاری اور تدبیر کرنا توکل کے خلاف نہیں۔



نماز تراویح کے بعض مسائل اور طریقہ وتر

سوال انگلینڈ کی اہل حدیث مساجد میں رمضان المبارک میں یہ معمول ہے کہ بعض لوگ امام کے ساتھ تراویح کی نماز ادا کرتے ہیں اور وتر چھوڑ دیتے ہیں۔

۱: اور بعض لوگ امام کے ساتھ وتر ادا کر کے امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت علیحدہ سے ادا کرتے ہیں۔

۲: اور بعض لوگ امام کے ساتھ صرف فرض ادا کرتے ہیں اور یہ لوگ رات کے آخری حصے میں چار رکعت یا آٹھ رکعت امام کے ساتھ ادا کر کے آخر میں وتر پڑھتے ہیں اور یہ نماز باقی نمازوں کی نسبت قدرے لمبی ہوتی ہے اور اس نماز کو یہ لوگ قیام کا نام دیتے ہیں۔

۳: آیا یہ قیام کا طریقہ نبی ﷺ کے زمانے میں تھا؟

کیا یہ جائز، ناجائز بات ہے یا افضل، غیر افضل کا مسئلہ ہے؟

بعض لوگ اس کے جائز ہونے کے لئے سعودی علماء اور (انگلینڈ کے) مقامی علماء کے حوالے دیتے ہیں۔ براہ مہربانی اس مسئلہ کی وضاحت قرآن و حدیث کی روشنی میں مع حوالہ جات تحریر فرمائیں اور اس کے علاوہ تین رکعت وتر پڑھنے کا صحیح طریقہ بھی بیان فرمادیں۔

(محمد فیاض دامانوی، بریڈ فورڈ، انگلینڈ)

الجواب آپ کے سوال کی تینوں شقوں کا جواب درج ذیل ہے:

۱: ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اجْعَلُوا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وَتَوَرَّاءَ))

رات کو اپنی آخری نماز وتر بناؤ۔

(صحیح بخاری، کتاب الوتر باب لجعل آخر صلاتہ وترًا ح ۹۹۸)

اس مفہوم کی مؤید دوسری روایات بھی ہیں اور غالباً یہ لوگ ان سے استدلال کرتے ہیں، یعنی رات کے بالکل آخری حصے میں اذان فجر سے پہلے یہ نماز وتر پڑھتے ہوں گے۔ واللہ اعلم صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آیا ہے: جس شخص کو یہ ڈر ہو کہ وہ رات کے آخری حصے میں سو یا رہ جائے گا تو وہ شروع میں ہی وتر پڑھ لے اور جسے یہ امید ہو کہ وہ رات کے آخری حصے میں اٹھ جائے گا تو اسے آخری حصے میں وتر پڑھنا چاہئے اور رات کی آخری نماز میں (فرشتوں کی) حاضری ہوتی ہے اور یہ افضل ہے۔ (ح ۷۵۵، ترمذی دار السلام: ۱۷۶۶)

ایک ہی رات میں وتر پر وتر پڑھنے کو نقص وتر کا مسئلہ کہا جاتا ہے، یعنی یہ لوگ دوبارہ وتر پڑھتے ہیں اور اپنے خیال میں اس عمل سے پہلے وتر کو توڑ دیتے ہیں اور ظاہر یہی ہوتا ہے کہ یہ رات کے آخری حصے میں (تیسری بار) وتر پڑھتے ہوں گے۔ واللہ اعلم سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ اگر ایک وتر پڑھ لیتے اور پھر قیام لیل کرنا چاہتے تو دوبارہ ایک وتر پڑھ کر سابقہ وتر کو جفت بنا دیتے، پھر قیام لیل فرماتے اور آخر میں (تیسری مرتبہ) وتر پڑھتے تھے۔

(مثلاً دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۲۸۲/۲ ح ۶۷۶۷ وسندہ صحیح، السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۳۶ ح ۳۸۴۵ وسندہ حسن)

نیز اس مسئلے پر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل واجتہاد بھی تھا۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۲۸۲/۲ ح ۶۷۶۷ وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نقص وتر کے بارے میں فرمایا: میں یہ کام، اپنی رائے سے کرتا ہوں، میں اسے کسی سے روایت نہیں کرتا۔ (مسند علی بن الجعد: ۴۳۷ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۴۵۰) یہی مسئلہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے۔

(دیکھئے الاوسط لابن المذہب ۵/۱۹۷ ح ۲۶۷۱ وسندہ حسن ۵/۱۹۶ ح ۲۶۷۷ وسندہ حسن)

یہ مسئلہ امام عروہ بن الزبیر اور امام مکحول وغیرہما رحمہم اللہ سے بھی ثابت ہے۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۲۸۲/۲ ح ۶۷۶۷ وسندہ صحیح)

لیکن ان آثار کے مقابلے میں صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا وتران في ليلة.)) ایک رات میں دو دفعہ وتر نہیں۔ (سنن ابی داود: ۱۴۳۹، وسندہ صحیح)
اس حدیث کے راوی سیدنا طلق بن علی رضی اللہ عنہ بھی صرف ایک دفعہ وتر پڑھنے کے قائل تھے۔
(دیکھئے سنن ابی داود: ۱۴۳۹، وحسنہ الترمذی: ۴۷۰ صحیح ابن خزيمة: ۱۱۰۱، وابن حبان: ۶۷۱)
سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے (ایک قول میں) فرمایا: جب تم پہلی رات میں وتر
پڑھ لو تو آخری حصہ میں (دوبارہ) وتر نہ پڑھو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۲۸۴ ح ۶۷۳۴ وسندہ حسن)
امام شعبی رحمہ اللہ نقض وتر کے قائل نہیں تھے۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۲۸۵ ح ۶۷۳۴ وسندہ صحیح)
امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے فرمایا: ”ولا ينقص وتره“ اور نقض وتر نہیں کرنا
چاہئے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۳۶ وسندہ حسن)
خلاصۃ التحقیق: اس مسئلے میں رائج بات یہ ہے کہ ایک دفعہ وتر پڑھ لینے کے بعد دوبارہ
وتر نہ پڑھا جائے اور اگر کوئی شخص وتر پڑھنے کے بعد بھی آخری رات میں نفل نماز پڑھنا
چاہتا ہے تو صرف دو رکعتیں پڑھ لے اور بہتر یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں بھی نہ پڑھے بلکہ قرآن
مجید کی تلاوت کرتا رہے۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ اگر کوئی شخص وتر کے بعد بھی نوافل پڑھنا چاہتا
ہے تو یہ حرام نہیں، لیکن بہتر یہ ہے کہ صحیح حدیث پر عمل کرتے ہوئے رات کی آخری
نماز صرف وتر کو بنایا جائے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ سیدنا ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (رمضان کے) روزے رکھے، پھر آپ نے ہمیں
(تراویح کی) نماز نہیں پڑھائی حتیٰ کہ جب (رمضان کے) مہینے کی سات راتیں رہ گئیں تو
ہمیں آپ نے ایک تہائی رات تک (قیام رمضان کی) نماز پڑھائی پھر چھٹی رات کوئی قیام
نہیں فرمایا اور پانچویں رات آدھی رات تک قیام فرمایا۔ پس ہم نے آپ سے کہا:

یا رسول اللہ! اگر آپ آج کی باقی رات بھی ہمیں نماز پڑھا دیتے تو؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ((إنه من قام مع الإمام حتى ينصرف كتب له



قیام لیلة)) بے شک جو شخص امام کے ساتھ قیام کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ نماز سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس شخص کے لئے ساری رات کا قیام (یعنی ثواب) لکھا جاتا ہے۔

(سنن ترمذی: ۸۰۶۰ وقال: ”حسن صحیح“، وسندہ صحیح)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ امام کے ساتھ (مکمل) تراویح (مع وتر) پڑھنے والے کو ساری رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تراویح کی انفرادی نماز سے، امام کے ساتھ نماز تراویح پڑھنا افضل ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

”میں اسے پسند کرتا ہوں کہ امام کے ساتھ نماز (تراویح) اور وتر پڑھے جائیں۔“

پھر انھوں نے حدیث مذکور سے استدلال کیا۔ (مسائل ابی داؤد ص ۶۲ باب التراویح)

اور اسی پر امام احمد بن حنبل کا عمل تھا۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعہ۔

ثابت ہوا کہ مذکور لوگوں کا عمل مرجوح ہے۔ واللہ اعلم

۲: اسے نقص الوتر کہا جاتا ہے اور اس کا مفصل ذکر جواب کی شق نمبر ۱ کے تحت گزر چکا ہے۔

راقم الحروف کے نزدیک یہ عمل مرجوح ہے اور بہتر وہی ہے جو میں نے نمبر ۱ کے تحت بیان کر دیا ہے۔ واللہ اعلم

۳: یہ عمل صراحت کے ساتھ نبی ﷺ سے ثابت نہیں، لیکن ظاہر یہی ہے کہ یہ لوگ سیدنا

عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو پیش نظر رکھ کر یہ اجتہاد کرتے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول صحیح بخاری میں موجود ہے۔

(کتاب صلوۃ التراویح باب فضل من قام رمضان ح ۲۰۱۰)

سنن ترمذی وغیرہ کی مرفوع صحیح حدیث (جسے شق نمبر ۱ کے تحت بیان کر دیا گیا ہے)

سے یہی ظاہر ہے کہ اول شب ہی امام کے ساتھ مکمل قیام مع وتر کر لیا جائے اور یہی افضل،

بہتر و رائج ہے۔

یہ اختلاف جائز ناجائز کا اختلاف نہیں بلکہ افضل وغیر افضل کا اور رائج و مرجوح کا اختلاف ہے جس میں ہر صحیح العقیدہ فریق کو حسب اجتہاد ثواب ملے گا۔ ان شاء اللہ سعودی عرب (یعنی جزیرۃ العرب) کے علماء ہوں یا مقامی و غیر مقامی علماء ہوں، سب کو چاہئے کہ سلف صالحین کے فہم کی روشنی میں قرآن و حدیث اور اجماع سے استدلال کریں اور فریق مخالف کو بھی اپنی دلیل بیان کرنے اور اپنی تحقیق پر عمل کرنے کا موقع دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((یا ایہا الناس! ألا إن ربکم واحد وإن أباکم واحد، ألا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا أحمر علی أسود ولا أسود علی أحمر إلا بالتقویٰ))۔

اے (ساری دنیا کے) لوگو! سن لو کہ یقیناً تمہارا رب ایک ہے اور یقیناً تمہارا باپ ایک ہے۔ (یعنی سیدنا آدم علیہ السلام) سن لو! کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر فضیلت ہے۔ کسی سرخ کو کسی کالے پر فضیلت نہیں اور نہ کسی کالے کو کسی سرخ پر فضیلت ہے، الا یہ کہ تقویٰ ہو۔ (مسند احمد ۵/۳۱۱ ح ۲۳۲۸۹ وسندہ صحیح)

فضیلت تو ایمان، اعمال صالحہ، علم اور تقویٰ میں ہے۔

[تین رکعت وتر پڑھنے کا صحیح طریقہ]

اب تین رکعت وتر پڑھنے کا صحیح طریقہ پیش خدمت ہے:

۱: دو رکعت پڑھ کر (تشہد، درود اور دعا کے بعد) دونوں طرف سلام پھیر دیا جائے اور بعد میں دوسری تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کے ساتھ ایک رکعت وتر پڑھا جائے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (وتر کی) جفت (دو) اور وتر (ایک) رکعت کو سلام کے ساتھ جدا (علیحدہ) کرتے تھے اور یہ سلام ہمیں سناتے تھے۔

(صحیح ابن حبان، الاحسان ۴/۷۰ ح ۲۴۲۶ وسندہ صحیح)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خود بھی اسی طرح وتر پڑھتے تھے۔ (دیکھئے صحیح البخاری: ۶۰۱)
صحیح مسلم کی حدیث: ((یسلّم بین کل رکعتین ویوتر بواحدة.))

آپ ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے اور (آخر میں) ایک وتر پڑھتے تھے۔ (۱/۲۵۴ ح ۷۳۶)
کے عموم سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا جائے اور آخر میں ایک وتر
پڑھا جائے۔

تین وتر کا یہ طریقہ سب سے افضل اور رائج ہے۔

۲: اگر دوسری رکعت پر سلام نہ پھیرا جائے اور تین وتر اکٹھے پڑھے جائیں تو یہ عمل بھی
جائز ہے، بشرطیکہ دوسری رکعت میں مغرب کی طرح تشہد کے لئے نہ بیٹھا جائے۔

ایک سلام سے تین وتر کے جواز کی دلیل وہ روایت ہے، جس میں آیا ہے کہ سیدنا عمر بن
الخطاب رضی اللہ عنہ (خليفة راشد) نے ایک سلام سے تین وتر پڑھائے۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی
۲۹۳/۱ سندہ حسن و صحیح النبیوی فی آثار السنن: ۶۱۸، نیز دیکھئے میری کتاب: ہدیۃ المسلمین ص ۶۵ ح ۲۷)
مشہور ثقہ تابعی عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ تین وتر پڑھتے تو ان میں بیٹھتے نہیں تھے اور صرف
آخری رکعت میں تشہد پڑھتے تھے۔

(المستدرک للحاکم/ ۳۰۵/۱ سندہ حسن و اخطأ النبیوی فضعفه!، المستدرک المخطوط ج ۱ ص ۱۴۵ ب)
المستدرک علی الصحیحین کے مؤلف ابو عبد اللہ الحاکم النیسابوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

”ما أخبرنا أبو نصر أحمد بن سهل الفقيه بخاراً: ثنا صالح بن محمد
ابن حبيب الحافظ: أنبأ شيبان بن أبي شيبة: ثنا أبان عن قتادة عن زرارة بن
أوفى عن سعد بن هشام عن عائشة قالت: كان النبي ﷺ يوتر بثلاث، لا
يقعد إلا في آخرهن وهذا وتر أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله
عنه وعنه أخذ أهل المدينة.“

عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا: نبی ﷺ تین وتر پڑھتے تھے، آپ ان میں صرف
آخری رکعت میں بیٹھتے تھے اور یہی وتر امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ہے اور انھی سے

اہلِ مدینہ نے لیا ہے۔ (المستدرک المخطوط ج ۱ ص ۱۴۵ ب)
یہی روایت اسی سند و متن کے ساتھ ”إلا في آخرهن“ تک ابو عبد اللہ الحافظ الحاکم
النیسابوری کے شاگرد حافظ ابو بکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی رحمہ اللہ نے بھی بیان کر رکھی
ہے۔ (دیکھئے السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۸ ح ۴۸۰۳ باب من أوتر بخمس أو ثلاث لا يجلس ولا
يسلم إلا في الآخرة منهن)

اب اس روایت کے راویوں کا مختصر و جامع تعارف پیش خدمت ہے:

۱: ابو نصر احمد بن سہل الفقیہ البخاری رحمہ اللہ
ان کے بارے میں حافظ ابو یعلیٰ خلیل بن عبد اللہ بن احمد بن خلیل التخلیلی القزوينی رحمہ اللہ
(متوفی ۴۴۶ھ) نے فرمایا: ”ثقة متفق عليه“
اور فرمایا: ہمیں حاکم ابو عبد اللہ نے ان سے حدیث بیان کی اور انھوں نے ان کی تعریف
بیان کی۔ (الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ۳/۹۷۷ ت ۹۰۳)
حاکم اور ذہبی دونوں نے ان کی بیان کردہ حدیث کو امام مسلم کی شرط پر صحیح کہا۔
(المستدرک والتلخیص ۱/۴۴۲ ح ۱۶۱۴)

۲: ابو علی صالح بن محمد بن (عمر بن) حبیب الحافظ البغدادی البخاری: جزرہ رحمہ اللہ
امام دارقطنی نے فرمایا: ”وكان ثقة صدوقاً حافظاً عارفاً.“ (المؤتلف والمختلف ۲/۷۵۰)
نیز دیکھئے تاریخ بغداد (۳۲۴/۹) تاریخ دمشق لابن عساکر اور سیر اعلام النبلاء (۲۳/۱۴)
۳: ابو محمد شیمان بن فروخ ابی شیبہ الحطی الابی رحمہ اللہ
آپ صحیح مسلم کے راوی اور جمہور محدثین کے نزدیک حدیث میں ثقہ و صدوق ہونے کی وجہ
سے حسن الحدیث ہیں۔

حافظ ذہبی نے ان کے نام کے ساتھ ”صح“ کی علامت لکھ کر فرمایا: ”أحد الثقات“
(میزان الاعتدال ۲/۲۸۵ ت ۳۷۵۹)
جس راوی کے ساتھ حافظ ذہبی ”صح“ کی علامت لکھیں تو ان کے نزدیک اس راوی پر

جرح مردود ہوتی ہے اور راوی کی توثیق پر عمل ہوتا ہے۔

(دیکھئے لسان المیزان ۲/۱۵۹، دوسرے نسخہ ۲/۲۸۹؛ تحقیقی مقالات ۳/۱۸۲-۱۸۳)

۴: ابو یزید ابان بن یزید الطار البصری رحمہ اللہ

آپ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے راوی اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ و صدوق ہیں۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا: ”ثقة له أفراد“ (تقریب التہذیب: ۱۴۳)

حافظ ذہبی نے فرمایا: ”حافظ صدوق إمام... بل هو ثقة حجة“

(میزان الاعتدال ۱/۱۶۱ ت ۲۰)

ان کے ساتھ بھی حافظ ذہبی نے ”صح“ کی علامت لکھ رکھی ہے۔

۵: قتادہ بن دعامہ البصری رحمہ اللہ

آپ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے بنیادی راوی اور ثقہ مدلس تھے۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا: ”ثقة ثبت“ (تقریب التہذیب: ۵۵۱۸)

حافظ ذہبی نے ان کے ساتھ ”صح“ کی علامت لکھی اور فرمایا: ”حافظ ثقة ثبت لكنه

مدلس و رمي بالقدر...“ (میزان الاعتدال ۳/۳۸۵ ت ۶۸۶۴)

روایت مذکور میں قتادہ کے سماع کی تصریح نہیں ملی، لیکن حنفی اصول پر یہ روایت صحیح ہے۔

ملاحیون (حنفی) نے لکھا ہے: ”حتى لا يقبل الطعن بالتدليس“ حتی کہ تدلیس کا طعن

قابل قبول نہیں۔ (نور الانوار ۱۹۲، درسی نکتہ، مکتبۃ البشری والانس ۱/۵۴۸)

ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے لکھا ہے:

اور قرون ثلاثہ میں ہمارے نزدیک تدلیس اور ارسال مضرب نہیں۔

(اعلاء السنن ۱/۳۱۳، دوسرے نسخہ ۱/۴۳۶ ح ۴۳۱، الکواکب الدریعہ ص ۴۷)

ظفر احمد تھانوی نے مزید لکھا ہے: میں نے کہا: اور اگر مدلس قرون ثلاثہ کے ثقہ لوگوں میں

سے ہو تو اس کی تدلیس بھی اسی طرح مقبول ہوتی ہے جس طرح اس کی مرسل روایت مقبول

ہوتی ہے۔ (تواعدنی علوم الحدیث ص ۱۵۹)

ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی نے لکھا ہے:

”حالانکہ اسے معلوم ہے کہ احناف کے ہاں تو خیر القرون کی جہالت و تدلیس جرح ہی نہیں اور شوافع کے ہاں متابعت سے یہ جرح ختم ہوگئی۔“ (تجلیات صفحہ ۳/۳۲۴)

احمد یار نعیمی بدایونی بریلوی نے لکھا ہے: ”ایک چیز کو بعض عیب سمجھتے ہیں۔ بعض نہیں۔ دیکھو تدلیس۔ ارسال۔ گھوڑے دوڑانا۔ مذاق۔ نو عمری۔ فقہ میں مشغولیت کو بعض لوگوں نے راوی کا عیب جانا ہے۔ مگر حنفیوں کے نزدیک ان میں سے کچھ بھی عیب نہیں۔ (نور الانوار بحث طعن علی الحدیث)“ (جاء الحق حصہ دوم ص ۷۷ قاعدہ نمبر ۷)

ثابت ہوا کہ حنفیہ دیوبندیہ اور بریلویہ کے اصول سے قتادہ رحمہ اللہ کی یہ روایت صحیح ہے۔ اہل حدیث کے نزدیک اس روایت کے معنوی اور آثار سلف صالحین سے شواہد موجود ہیں، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ

۶: قاضی ابوحاجب زرارہ بن اوئی العامری البصری رحمہ اللہ

آپ صحیح بخاری صحیح مسلم کے راوی تھے اور حافظ ابن حجر نے فرمایا: ”ثقة عابد“

(تقریب التہذیب: ۲۰۰۹)

۷: سعد بن ہشام بن عامر الانصاری المدنی رحمہ اللہ

آپ صحیح بخاری صحیح مسلم کے راوی تھے اور مکران کے علاقے میں شہید ہوئے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ”ثقة“ (تقریب التہذیب: ۲۲۵۸)

۸: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

آپ نے دیکھ لیا کہ مستدرک والی روایت کے سارے راوی ثقہ و صدوق ہیں اور صرف تدلیس کا اعتراض ہے، لہذا یہ سند اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہے لیکن حنفیوں، دیوبندیوں اور بریلویوں تینوں کے نزدیک یہ حدیث اور اس کی سند بالکل صحیح ہے۔

مستدرک کی اس روایت کا ایک شاہد درج ذیل ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لا توتروا بثلاث، أوتروا بخمس أو بسبع ولا

تین وتر نہ پڑھو، پانچ یا سات پڑھو اور مغرب کی نماز سے مشابہت نہ کرو۔ (صحیح ابن حبان، الاحسان ۴/۱۷۷ ج ۲۴۲۰ وسندہ صحیح، صحیح الحاكم فی المستدرک ۱/۳۰۴ ج ۱۱۳۷-۱۱۳۸، ووافق الذہبی)

اس روایت کی مفصل تحقیق کے لئے دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات (ج ۴ ص ۱۳۲-۱۳۶)

دیوبندیہ و بریلویہ جس طریقے سے تین وتر پڑھتے ہیں، اس کا کوئی ثبوت ہمارے علم کے مطابق نبی کریم ﷺ یا کسی صحابی سے باسند صحیح و حسن لذاتہ موجود نہیں۔ آخر میں بطور تنبیہ عرض ہے کہ صرف ایک وتر پڑھنا بھی جائز ہے۔

(دیکھئے سنن ابی داؤد: ۱۴۲۲، سنن نسائی: ۱۷۱۲، اور ہدیۃ المسلمین ص ۶۲ ج ۲۶)

[۱۴/فروری ۲۰۱۲ء]

سوال اہل حدیث مساجد میں علیحدہ سے عورتوں کا انتظام موجود ہے۔

الجواب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَجِئْهُوا هَٰذِهِ الْبُيُوتَ عَنِ الْمَسْجِدِ حَيْثُ كَانَتْ رُشْنَىٰ فِيهِمْ مِّنْ مَّسْجِدِهِمْ)) (محمد فیاض دامانوی، بریڈ فورڈ انگلینڈ)

فإني لا أحل المسجد لحائض ولا جنب)) ان گھروں (کے دروازوں) کو دوسری طرف پھیر دو، کیونکہ میں مسجد کو حائضہ اور جنبی کے لئے حلال قرار نہیں دیتا۔

(سنن ابی داؤد: ۲۳۲۰ وسندہ حسن وصحہ ابن خزیمہ: ۱۳۲۷)

اس روایت کے راوی افلت بن خلیفہ صدوق ہیں۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۵۴۶)
اور جسرہ بنت دجلہ کی توثیق امام عجل، حافظ ابن حبان اور امام ابن خزیمہ سے ثابت ہے اور جمہور کی اس توثیق کے مقابلے میں امام بخاری کا قول ”عند جسرة عجائب“ مرجوح ہے۔

ثابت ہوا کہ حائضہ عورت مسجد میں نہ داخل ہو سکتی ہے اور نہ مسجد میں ذکر واذکار کر سکتی ہے۔

حج اور بیت اللہ کا طواف، نیز تنعمی عمروں کا حکم

سوال اگر کوئی شخص حج کے لئے جائے اور وہ فارغ اوقات میں کعبہ کا طواف ہی کرتا رہے تو یہ عمل کرنا کیسا ہے؟ اور بعض لوگ میقات جا کر وہاں سے احرام باندھ کر اپنے لئے، اپنے والدین یا عزیز رشتہ داروں کے لئے عمرہ کرتے ہیں۔ یہ عمل کیسا ہے؟ براہ مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

(محمد فیاض دامانوی، بریڈفورڈ انگلینڈ)

الجواب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إنما الطواف صلوة فإذا طفتم فأقلوا الكلام)) طواف تو نماز ہے، لہذا جب تم (بیت اللہ کا) طواف کرو تو باتیں تھوڑی کیا کرو۔ (مسند احمد ۳/۴۱۴ ح ۵۴۲۳ وسندہ صحیح)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: طواف میں باتیں تھوڑی کیا کرو اور (اس حالت میں) تم تو نماز میں ہوتے ہو۔ (سنن نسائی: ۲۹۲۶ وسندہ صحیح موقوف)

بیت اللہ کا طواف نماز کے حکم میں ہے اور یہ عبادت پوری دنیا میں صرف مکہ مکرمہ (بیت اللہ) میں ہوتی ہے، لہذا حاجی یا معتمر (عمرہ کرنے والے) کو چاہئے کہ اپنے مناسک

سے فارغ ہو کر اپنا زیادہ وقت بیت اللہ میں صرف کرے اور داخل ہونے کے بعد تحیۃ المسجد (دور کعتیں) پڑھنے کے بعد حتی الوسع طواف ہی کرتا رہے اور اگر تھک جائے تو بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت یا ذکر و کار میں مصروف رہے۔

متنعیم سے جو مروجہ عمرے کئے جاتے ہیں، ان پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے، لیکن اس استدلال میں نظر ہے اور بہتر یہی ہے کہ میقات سے عمرہ کیا جائے اور حائضہ کے علاوہ دوسرے لوگ متنعیم (مسجد عائشہ) سے عمرہ نہ کریں۔

اہل مکہ کے صحیح العقیدہ علماء کی بھی یہی تحقیق ہے۔ واللہ اعلم
درج بالا حدیث سے دومزید مسئلے بھی ثابت ہیں:

۱: نماز میں کلام کرنا جائز نہیں۔

۲: حالت طواف میں ضروری کلام کرنا جائز ہے۔

پردیس میں تعزیت اموات

سوال ہمارا کوئی عزیز، رشتہ دار پاکستان میں فوت ہو جاتا ہے تو ہم لوگ انگلینڈ میں تین دن تک تعزیت کے لئے بیٹھتے ہیں اور تین دن رشتہ داروں کی طرف سے کھانا بھی آتا ہے۔ ہمارا یہ کام کہاں تک درست ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ (محمد فیاض دامانوی، بریڈ فورڈ انگلینڈ)

الجواب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب زید بن حارثہ، جعفر اور عبد اللہ بن رواحہ (رضی اللہ عنہم) کی شہادت کی خبر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے۔ آپ کے چہرے پر غم کے آثار نظر آرہے تھے۔ (صحیح بخاری: ۱۲۹۹، صحیح مسلم: ۹۳۵، ترقیم دارالسلام: ۲۱۶۱)
اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اہل میت کا تعزیت والوں کے لئے (تین دن تک) بیٹھنا جائز ہے۔

سیدنا جعفر بن ابی طالب الطیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آل جعفر کو تین

دن کی مہلت دی، پھر ان کے پاس جا کر فرمایا: آج کے بعد میرے بھائی پر نہ رونا۔
(سنن ابی داود: ۴۱۹۲ وسندہ صحیح)
اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تین دن سے زیادہ سوگ کرنا اور اس کے لئے بیٹھنا جائز نہیں۔
ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِصْنَعُوا لِآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَإِنَّهُ قَدْ أَتَاهُمْ أَمْرٌ يَشْغَلُهُمْ.)) آل جعفر کے لئے کھانا تیار کرو، کیونکہ ان پر ایسی بات آگئی ہے جس نے انھیں مشغول کر دیا ہے۔

(سنن ابی داود: ۳۱۳۲ وسندہ حسن، توضیح الاحکام ج ۱ ص ۵۰۸)
اس حدیث سے ثابت ہوا کہ میت والوں کے رشتہ دار یا دوست ہمدرد وغیرہ اُن کے لئے (تین دن تک) کھانا تیار کر کے بھیج سکتے ہیں۔
اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ اگر دوست رشتہ دار کسی ضروری کام میں بہت مصروف ہوں تو ان کے پاس کھانا پانی بھیجنے کے ساتھ ان کی تواضع کرنا جائز بلکہ بہت بہتر ہے۔

- ان دلائل کی روشنی میں آپ کے سوال کے مختصر جوابات درج ذیل ہیں:
- ۱: آپ لوگوں کا اپنے کسی قریبی رشتہ دار پر غم کے لئے تین دن تک بیٹھنا جائز ہے۔
 - ۲: لوگوں کی طرف سے ان دنوں میں جو کھانا بھیجا جاتا ہے وہ بھی جائز ہے۔

مسلمان ہونے کی شرائط اور اہل قبلہ کی تکفیر

سوال کیا قبلہ کی طرف رخ کرنے والے سارے لوگ مسلمان ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ (محمد فیاض دامانوی، بریڈ فورڈ انگلینڈ)

الجواب قبلہ (بیت اللہ) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والے اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھنے یا کہلوانے والے سارے لوگ مسلمان نہیں، بلکہ ان میں ختم نبوت کے منکرین مثلاً قادیانیہ و بہائیہ وغیرہما اور ان جیسے کفریہ عقائد رکھنے والے سارے لوگ کافر اور

دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ درج ذیل ایمانیات و عقائد پر صحیح اور سچا ایمان رکھے:

۱: قرآن مجید کے کلام اللہ، برحق اور غیر مخلوق ہونے پر ایمان
جو لوگ قرآن مجید میں تحریف کے قائل ہیں یا قرآن مجید کو مخلوق کہتے ہیں، وہ لوگ کافر ہیں
اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

۲: رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیحہ پر ایمان

۳: جو عقیدہ و عمل قرآن و احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، اس پر ایمان مثلاً حیاتِ مسیح علیہ السلام،
نزولِ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام، خروجِ دجال لعین اور دیگر عقائد صحیحہ

۴: ختمِ نبوت (یعنی رسول اللہ ﷺ کے آخری نبی ہونے) پر ایمان

۵: توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید الاسماء والصفات پر ایمان

۶: شعائر اللہ مثلاً رسول اللہ ﷺ، بیت اللہ، کتاب اللہ اور صحیح حدیث وغیرہ کی پوری
پوری تعظیم و محبت کرنا اور ہر قسم کی صریح و غیر صریح گستاخیوں سے مکمل بچنا۔

۷: ضروریاتِ دین والے عقائد و مسائل پر ایمان

۸: ثابت شدہ اور ناقابلِ تردید اجماع امت پر ایمان

۹: تقدیر پر ایمان

۱۰: فرشتوں پر ایمان

۱۱: آسمانی کتابوں مثلاً تورات، زبور، انجیل اور صحفِ ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام پر ایمان
کہ یہ کتابیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں اور یہود و نصاریٰ نے بعد میں آسمانی کتابوں
میں تحریف و تبدیلی کر دی۔

۱۲: تمام رسولوں اور انبیاء کی رسالت و نبوت پر ایمان

۱۳: توحید پر ایمان

۱۴: شرک سے کلیتاً اجتناب

۱۵: شیاطین اور ان کی ذریت، نیز طواغیت اور مقلدین طواغیت سے براءت کا اعلان (وغیر ذلک)

تفصیل کے لئے مطولات (مثلاً صحیح بخاری و صحیح مسلم کی کتاب الایمان اور امام آجری کی کتاب الشریعہ وغیرہ) کا مطالعہ مفید ہے، یا اپنے قریبی صحیح العقیدہ علماء سے رابطہ رکھیں۔ یہ وہ ایمانیات ہیں، جن میں سے کسی ایک کے انکار سے بھی انسان دائرہ اسلام سے باہر ہو جاتا ہے۔

نیز دیکھئے راقم الحروف کی ترجمہ کردہ کتاب: ”شرح حدیث جبریل علیہ السلام“

عورتوں کا اپنے بال کٹوانا

سوال عورتوں کا بال کٹوانا یا نہ کٹوانا کیسا ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ (محمد فیاض دامانوی، بریڈ فورڈ انگلینڈ)

الجواب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ليس على النساء الحلق ، إنما على النساء التقصير .))

عورتوں پر (حج میں) سر منڈانا نہیں، بلکہ عورتوں پر بالوں کا قصر کرنا ہے۔

(سنن ابی داؤد: ۱۹۸۵، سنن دارمی: ۱۹۱۱، وسندہ حسن وحسنہ الحافظ فی التلخیص الحیر ۲/۲۶۱)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حج اور عمرے کے دوران میں بھی عورتیں سر نہیں منڈائیں گی اور اسی پر اجماع ہے۔ (دیکھئے کتاب الایمان لابن المنذر: ۶۵/۱۹۹، حاجی کے شب و روز ص ۸۹) قصر میں بھی صرف ایک انگلی کی موٹائی یا اس کے قریب جتنے بال کاٹے جاتے ہیں۔

یاد رہے کہ عورت مردوں کی طرح اپنے سر کے بال نہیں کاٹ سکتی، کیونکہ اس سے مردوں کی مشابہت لازم آتی ہے اور مشابہت حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورتیں مردوں سے مشابہت کرتی ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہو۔

(صحیح بخاری: ۵۸۸۵، الحدیث حضور: ص ۲۷ ص ۵۳)

گناہ کا ارادہ اور عمل

سوال اگر کوئی بندہ کسی بھی گناہ کے کام کا ارادہ کرتا ہے، لیکن وہ عملی طور پر گناہ کا کام نہیں کر سکتا یا کرنے کا موقع نہیں ملتا تو کیا ایسے شخص کا گناہ اللہ کے ہاں لکھا جائے گا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ (محمد فیاض دامانوی، بریڈ فورڈ انگلینڈ)

الجواب سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے بیان کیا:

پس جو شخص نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور اس نیکی پر عمل نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں ایک پوری نیکی (کا ثواب) لکھ دیتا ہے اور اگر وہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے تو اس کے نامہ اعمال میں دس سے لے کر سات سو گنا یا اس سے زیادہ نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

اور جو شخص بُرائی کا ارادہ کرتا ہے، لیکن اس پر عمل نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں ایک پوری نیکی لکھ دیتا ہے، پھر اگر وہ اس بُرائی پر عمل کرتا ہے تو اس کے نامہ اعمال میں صرف ایک بُرائی لکھ دی جاتی ہے۔ (صحیح بخاری: ۶۴۹۱، صحیح مسلم: ۱۳۱)

اس صحیح متفق علیہ حدیث قدسی سے ثابت ہوا کہ سوال مذکور میں اس شخص کے نامہ اعمال میں کوئی گناہ درج نہیں ہوتا اور یاد رہے کہ بُرائی کے ارادوں سے بھی بچنا ضروری ہے، تاکہ آدمی اس بُرائی میں کہیں مبتلا نہ ہو جائے۔

اگر کسی شخص کے دل و دماغ میں بُرائی کا ارادہ آجائے یا شیطانی وسوسے جنم لیں تو اسے فوراً توبہ واستغفار کرنا چاہئے اور درج ذیل آیت پڑھنی چاہئے۔

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (الحمد: ۳)

(دیکھئے سنن ابی داود: ۵۱۱۰ وسندہ حسن)

[۹/فروری ۲۰۱۲ء]

اہل حدیث کب سے ہیں اور دیوبندیہ و بریلویہ کا آغاز کب ہوا؟

سوال ہم لوگ یہ سنتے رہتے ہیں کہ اہل حدیث حضرات انگریزوں کے دور میں شروع ہوئے ہیں۔ پہلے ان لوگوں کا نام و نشان نہیں تھا۔ براہ مہربانی پاک و ہند کے گزشتہ دور کے اہل حدیث علماء کے نام مختصر تعارف کے ساتھ تحریر فرمادیں۔ شکریہ

(محمد فیاض دامانوی، بریڈ فورڈ انگلینڈ)

الجواب جس طرح عربی زبان میں ”اہل السنۃ“ کا مطلب ہے: سنت والے۔

اسی طرح اہل الحدیث کا مطلب ہے: حدیث والے۔

جس طرح سنت والوں سے مراد صحیح العقیدہ سنی علماء اور ان کے صحیح العقیدہ عوام ہیں، اسی طرح حدیث والوں سے مراد صحیح العقیدہ محدثین کرام اور ان کے صحیح العقیدہ عوام ہیں۔

یاد رہے کہ اہل سنت اور اہل حدیث ایک ہی گروہ کے دو صفاتی نام ہیں۔

صحیح العقیدہ محدثین کرام کی کئی اقسام ہیں۔ مثلاً

۱: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۲: تابعین عظام رحمہم اللہ

۳: تبع تابعین

۴: اتباع تبع تابعین

۵: حفاظ حدیث

۶: راویان حدیث

۷: شارحین حدیث وغیرہم رحمہم اللہ

صحیح العقیدہ محدثین کے صحیح العقیدہ عوام کی کئی اقسام ہیں۔ مثلاً:

۱: بہت پڑھے لکھے لوگ

۲: درمیانہ پڑھے لکھے لوگ

۳: تھوڑا پڑھے لکھے لوگ

۴: ان پڑھ عوام

یکل (۷+۴) گروہ اہل حدیث کہلاتے ہیں اور ان کی اہم ترین نشانیاں درج ذیل ہیں:

۱: قرآن وحدیث اور اجماع اُمت پر عمل کرنا۔

۲: قرآن وحدیث اور اجماع کے مقابلے میں کسی کی بات نہ ماننا۔

۳: تقلید نہ کرنا۔

۴: اللہ تعالیٰ کو سات آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ماننا۔ کما یلیق بشأنه

۵: ایمان کا مطلب دلی یقین، زبانی قول اور جسمانی عمل ماننا۔

۶: ایمان کی کمی بیشی کا عقیدہ رکھنا۔

۷: کتاب وسنت کو سلف صالحین کے فہم پر سمجھنا اور اس کے مقابلے میں ہر شخص کی بات کو رد کر دینا۔

۸: تمام صحابہ، ثقہ و صدوق تابعین، تبع تابعین و اتباع تبع تابعین اور تمام ثقہ و صدوق صحیح

العقیدہ محدثین سے محبت کرنا۔ وغیر ذلک

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

”صاحب الحدیث عندنا من يستعمل الحديث“ ہمارے نزدیک صاحب

حدیث وہ ہے جو حدیث پر عمل کرے۔ (الجامع للخطیب: ۱۸۶، وسندہ صحیح)

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

”وَنَحْنُ لَا نَعْنِي بِالْأَهْلِ الْحَدِيثِ الْمُقْتَصِرِينَ عَلَى سَمَاعِهِ أَوْ كِتَابَتِهِ أَوْ

رَوَايَتِهِ بَلْ نَعْنِي بِهِمْ: كُلُّ مَنْ كَانَ أَحَقَّ بِحِفْظِهِ وَمَعْرِفَتِهِ وَفَهْمِهِ ظَاهِرًا

وَبَاطِنًا. وَاتِّبَاعَهُ بَاطِنًا وَظَاهِرًا.“

اور ہم اہل حدیث سے مراد صرف سامعین حدیث، کاتبین حدیث یا راویان حدیث

ہی نہیں لیتے بلکہ ہم اُن سے ہر وہ شخص مراد لیتے ہیں جو اسے کما حقہ یاد رکھتا ہے، ظاہری و

باطنی معرفت و فہم رکھتا ہے، اور باطنی و ظاہری اتباع کرتا ہے۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۲/۹۵)
حافظ ابن تیمیہ کے مذکورہ قول سے بھی اہل حدیث (کثرہم اللہ) کی دو قسمیں ثابت ہیں:

۱: عالمین بالحدیث محدثین کرام

۲: حدیث پر عمل کرنے والے عوام

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مزید لکھا ہے:

اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ لوگوں میں سے فرقہ ناجیہ ہونے کا سب سے زیادہ مستحق اہل
الحدیث والسنۃ ہیں، جن کا رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی متبوع (امام) نہیں جس کے لئے
وہ تعصب رکھتے ہوں۔ (مجموع فتاویٰ ۳/۳۴۷)

حافظ ابن کثیر نے بعض سلف (صالحین) سے نقل کیا ہے کہ ”هذا أكبر شرف لأصحاب
الحديث لأن إمامهم النبي ﷺ“ (یہ (آیت: ۱۷، سورۃ بنی اسرائیل) اصحاب الحدیث
کی سب سے بڑی فضیلت ہے، کیونکہ ان کے امام نبی ﷺ ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ۲/۱۶۴، الاسراء: ۷۱)

سیوطی نے بھی لکھا ہے: ”ليس لأهل الحديث منقبه أشرف من ذلك لأنه لا إمام
لهم غيره ﷺ“ اہل حدیث کے لئے اس سے زیادہ فضیلت والی کوئی بات نہیں، کیونکہ
ان کا آپ ﷺ کے علاوہ دوسرا کوئی امام (متبوع) نہیں۔ (تدریب الراوی ۲/۲۶۱، نوہ: ۲۷)
امام احمد بن حنبل، امام بخاری اور امام علی بن المدینی وغیرہم (رحمہم اللہ) نے اہل الحدیث کو
طائفہ منصورہ قرار دیا ہے۔ (دیکھئے معرفۃ علوم الحدیث للحاکم: ۲، صحیح ابن حجر العسقلانی فی فتح الباری ۱۳/۲۹۳)

تحت ح ۳۱۱، مسألة الاحتجاج بالشافعي للخطيب ص ۴۷، سنن ترمذی مع عارضۃ الاحوزی ۹/۷۴ ح ۲۲۲۹

امام بخاری و امام مسلم کے ثقہ استاذ امام احمد بن سنان الواسطی رحمہ اللہ نے فرمایا: دنیا میں ایسا
کوئی بدعتی نہیں جو اہل الحدیث سے بغض نہیں رکھتا۔ (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۴۷ و سند صحیح)
امام قتیبہ بن سعید اشقی (متوفی ۲۴۰ھ، عمر ۹۰ سال) نے فرمایا: جب تو کسی آدمی کو دیکھے کہ وہ
اہل الحدیث سے محبت کرتا ہے تو (سمجھ لے کہ) یہ شخص سنت پر ہے۔

(شرف اصحاب الحدیث للخطیب: ۱۴۳، وسندہ صحیح)

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات (ج ۱ ص ۱۶۱-۱۷۲)

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے: (امام) مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابو یعلیٰ اور بزار وغیرہم اہل الحدیث کے مذہب پر تھے، وہ علماء میں سے کسی متعین کے مقلد نہیں تھے... (مجموع فتاویٰ ۴۰/۲۰، تحقیقی مقالات ۱/۱۶۸)

عبارات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ اہل حدیث سے مراد دو گروہ ہیں:

- ۱: صحیح العقیدہ اور تقلید نہ کرنے والے سلف صالحین و محدثین کرام
 - ۲: سلف صالحین اور محدثین کرام کے صحیح العقیدہ اور تقلید نہ کرنے والے عوام
- راقم الحروف نے اپنے ایک تحقیقی مضمون میں سو سے زیادہ علمائے اسلام کے حوالے پیش کئے ہیں، جو تقلید نہیں کرتے تھے اور ان میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:

امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن سعید القطان، امام عبداللہ بن المبارک، امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد السجستانی، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام نسائی، امام ابوبکر بن ابی شیبہ، امام ابو داؤد الطیلسی، امام عبداللہ بن الزبیر الحمیدی، امام ابو عبیدہ القاسم بن سلام، امام سعید بن منصور، امام قتی بن مخلد، امام مسدد، امام ابو یعلیٰ الموصلی، امام ابن خزیمہ، امام ذہلی، امام اسحاق بن راہویہ، محدث بزار، محدث ابن المنذر، امام ابن جریر الطبری اور امام سلطان یعقوب بن یوسف المراكشي المجاہد وغیرہم۔ رحمہم اللہ اجمعین

یہ سب اہل حدیث علماء صدیوں پہلے روئے زمین پر گزر چکے ہیں۔

ابو منصور عبد القاہر بن طاہر البغدادی نے شام، جزیرہ، آذربائیجان اور باب الابواب وغیرہ کی سرحدوں پر رہنے والوں کے بارے میں فرمایا:

وہ تمام اہل سنت میں سے اہل حدیث کے مذہب پر ہیں۔ (اصول الدین ص ۳۱۷)

ابو عبداللہ محمد بن احمد بن البناء البشاری المقدسی (متوفی ۳۸۰ھ) نے ملتان کے بارے میں

فرمایا: ”مذاہبہم: اکثرہم أصحاب حدیث...“

ان کے مذاہب: ان میں اکثریت اہل حدیث ہے۔ (احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالم ص ۳۶۳)
فرقہ دیوبندیہ کا آغاز ۱۸۶۷ء میں مدرسہ دیوبند کی ابتدا کے ساتھ ہوا اور فرقہ بریلویہ کے
بانی احمد رضا خان بریلوی جون ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے تھے۔

۱: فرقہ دیوبندیہ اور فرقہ بریلویہ دونوں کی پیدائش سے بہت پہلے شیخ محمد فاخر بن محمد یحییٰ
بن محمد امین العباسی السلفی الہ آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۶۳ھ ۱۷۵۱ء) تقلید نہیں کرتے تھے۔
بلکہ کتاب و سنت کے دلائل پر عمل کرتے اور خود اجتہاد کرتے تھے۔

(دیکھئے نزہۃ الخواطر ۶/۳۵۱ ت ۶/۳۵۱، تحقیق مقالات ۲/۵۸)

۲: شیخ محمد حیات بن ابراہیم السندھی المدنی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۶۳ھ ۱۷۵۰ء) تقلید نہیں
کرتے تھے اور عمل بالحدیث کے قائل تھے۔

ماسٹر امین اوکاڑوی نے محمد حیات سندھی، محمد فاخر الہ آبادی اور مبارکپوری تینوں کے بارے
میں لکھا ہے: ”ان تین غیر مقلدوں کے علاوہ کسی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی نے اسکو سہو کا تب
بھی نہیں کہا۔“ (تجلیات ص ۲/۲۳۳، نیز دیکھئے تجلیات ص ۵/۳۵۵)

۳: ابوالحسن محمد بن عبدالہادی السندھی الکبیر رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۴۱ھ بمطابق ۱۷۲۹ء) کے
بارے میں امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ”حالانکہ یہ ابوالحسن سندھی غیر مقلد تھا۔“

(تجلیات ص ۶/۴۴)

یہ سب حوالے ہندوستان پر انگریزوں کے قبضے سے بہت پہلے کے ہیں، لہذا آپ
نے جن لوگوں سے یہ سنا ہے کہ ”اہل حدیث حضرات انگریزوں کے دور میں شروع ہوئے
ہیں پہلے ان لوگوں کا نام و نشان نہیں تھا“ بالکل جھوٹ اور افتراء ہے۔

رشید احمد لدھیانوی دیوبندی نے لکھا ہے: ”تقریباً دوسری تیسری صدی ہجری میں
اہل حق میں فروغی اور جزئی مسائل کے حل کرنے میں اختلافِ انظار کے پیش نظر پانچ
مکاتب فکر قائم ہو گئے یعنی مذاہب اربعہ اور اہل حدیث۔ اس زمانے سے لیکر آج تک انہی
پانچ طریقوں میں حق کو منحصر سمجھا جاتا رہا۔“ (احسن الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۱۶)

اس عبارت میں لدھیانوی صاحب نے اہل حدیث کا قدیم ہونا، انگریزوں کے دور سے بہت پہلے ہونا اور اہل حق ہونا تسلیم کیا ہے۔
حاجی امداد اللہ کی کے ”خلفہ مجاز“ محمد انوار اللہ فاروقی ”فضیلت جنگ“ نے لکھا ہے:
”حالانکہ اہل حدیث کل صحابہ تھے“

(حقیقۃ الشفہ حصہ دوم ص ۲۲۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

محمد ادریس کاندھلوی دیوبندی نے لکھا ہے: ”اہل حدیث تو تمام صحابہ تھے“

(اجتہاد اور تقلید کی بنیاد پر تحقیق ص ۴۸)

میری طرف سے تمام آل دیوبند اور تمام آل بریلی سے سوال ہے کہ انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی (یعنی ہندوستان پر انگریزی قبضے کے دور) سے پہلے کیا دیوبندی مسلک یا بریلوی مسلک کا آدمی موجود تھا؟ اگر تھا تو صحیح اور صریح صرف ایک حوالہ پیش کریں اور اگر نہیں تھا تو ثابت ہو گیا کہ بریلوی مذہب اور دیوبندی مذہب دونوں، ہندوستان پر انگریزی قبضے کے بعد کی پیداوار ہیں۔ وما علینا الا البلاغ
(۱۴/ فروری ۲۰۱۲ء)

حوالے

۱: عینی حنفی نے لکھا ہے: ”قلت: یزید بن ابی زیاد ضعیف“ میں نے کہا:

یزید بن ابی زیاد ضعیف ہے۔ (نخب الافکار فی تنقیح مباحی الاخبار فی شرح معانی الآثار ۴/ ۳۷۷)

۲: عینی نے لکھا ہے: ”و إذا تعارض الوصل مع الارسال والرفع مع الوقف

فالحکم عند اکثرهم للواصل والرافع لأنهما زادا والزيادة من الثقة

مقبولة واللہ أعلم“ اور جب موصول و مرسل اور مرفوع و موقوف کے درمیان تعارض

ہو تو اکثر (علماء) کے نزدیک موصول اور مرفوع کو ترجیح حاصل ہے، کیونکہ انھوں نے

زیادت بیان کی اور ثقہ کی زیادت مقبول ہے۔ واللہ أعلم (نخب الافکار ۴/ ۱۷۷)

یاد رہے کہ مہول محشی کا اس عبارت پر رد محشی کی اپنی رائے ہے۔ واللہ أعلم

محمد زبیر صادق آبادی

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث اور مسئلہ منسوخیت رفع یدین

بعض آل دیوبند رکوع کے وقت رفع یدین کو منسوخ کہتے ہیں اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت یوں پیش کرتے ہیں:

”حضرت علقمہ سے روایت ہے: وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں تم کو حضور ﷺ جیسی نماز نہ پڑھاؤں؟ اس کے بعد انہوں نے نماز پڑھائی اور پہلی مرتبہ کے بعد کسی جگہ رفع یدین نہ کی۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بہت سے اہل علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کا یہی مذہب ہے اور حضرت سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی یہی مسلک ہے (ترمذی ج ۱ ص ۳۵)“ (تجلیات صفحہ ۲ ص ۳۵۳-۳۵۴)

اس روایت کے متعلق ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ”یہ حدیث حسن ہے (ترمذی ج ۱ ص ۳۵) یہ حدیث صحیح ہے (محلّی ابن حزم ج ۲ ص ۳۵۸)“ (تجلیات صفحہ ۲ ص ۳۵۳) جبکہ آل دیوبند تو امام ترمذی کی تحسین کو مانتے ہیں، نہ صحیح کو اور نہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے ان اقوال کو جو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرماتے ہیں، مثلاً فاتحہ خلف الامام کی حدیث جس کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے اور محدثین کی ایک جماعت نے حسن یا صحیح کہا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے توضیح الکلام ج ۱ ص ۲۲۲)

لیکن اس کے باوجود سر فر از صفدر دیوبندی کے نزدیک اس حدیث کا وجود اور عدم وجود برابر ہے۔ (دیکھئے احسن الکلام ج ۲ ص ۷۰)

محمود حسن دیوبندی نے کہا: ”اور یہ روایت بھی اول تو ان کے مدعا پر نص نہیں۔ اور اگر اس سے بھی درگزر کریں تو قوی نہیں۔ اگرچہ ترمذی اس کو حسن کہتے ہیں۔“ (تقاریش الہند ص ۶۸) سعید احمد پالنپوری دیوبندی نے لکھا ہے: ”خلاصہ یہ ہے کہ امام ترمذی کا حسن، حسن

سے فروتر ہے، معمولی ضعیف حدیث کو بھی امام ترمذی حسن کہتے ہیں۔“

(تسہیل ادلہ کاملہ ص ۶۵)

سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ”امام ترمذی حدیث کی تصحیح و تحسین میں بڑے متساہل ہیں“

(الکلام المفید ص ۳۲۹)

سنن ترمذی کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے جرابوں پر مسح کیا۔

(ح ۹۹ وقال: ”هذا حديث حسن صحيح“)

اس حدیث کے متعلق تقی عثمانی نے کہا: ”اس حدیث کی تصحیح میں امام ترمذی سے تسامح

ہوا ہے“ (درس ترمذی ج ۱ ص ۳۳۶)

اسی حدیث کے متعلق ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ”امام ترمذی اس بارے میں

متساہل ہیں...“ (تجلیات صفدر ج ۲ ص ۱۷۶)

اسی طرح سیدنا ابومعید سعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث جو انھوں نے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں بیان فرمائی تھی اور اس میں چار مقامات پر رفع یدین کا ثبوت بھی ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن بھی کہا ہے اور صحیح بھی کہا ہے۔

دیکھئے سنن ترمذی (ج ۱ ص ۶۷ ح ۳۰۴)

لیکن اس کے باوجود ماسٹر امین اوکاڑوی نے اس حدیث کو ضعیف کہا۔

دیکھئے تجلیات صفدر (ج ۲ ص ۲۹۷)

مذکورہ تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ آل دیوبند کے نزدیک امام ترمذی رحمہ اللہ کا کسی حدیث کو صحیح یا حسن کہنا آل دیوبند کے نزدیک کوئی حجت نہیں اور اسی طرح امام ترمذی رحمہ اللہ کا بلا سند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں قول بھی آل دیوبند کے نزدیک کوئی حجت نہیں، مثلاً امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا:

”حدیث عبادہ کی حسن ہے اور روایت کی یہ حدیث زہری نے محمود بن ربیع سے انھوں نے عبادہ بن صامت سے انھوں نے نبی ﷺ سے کہ فرمایا آپ نے اس کی تو نماز ہی نہیں ہوتی

جو نہ پڑھے سورہ فاتحہ اور یہ روایت بہت صحیح ہے اور اسی پر عمل ہے امام کے پیچھے قرآن پڑھنے کے باب میں اکثر علمائے صحابہ اور تابعین کا اور یہی قول ہے مالک بن انس اور ابن مبارک اور شافعی اور احمد اور اسحاق کا کہتے ہیں پڑھ لے امام کے پیچھے“

(ترمذی مترجم دیلم الزمان ج ۱ ص ۱۵۴، درسی نسخہ مع العرف الشذی ج ۱ ص ۷۰-۷۱ ح ۳۱۱)

امام ترمذی رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کو آل دیوبند ماننے کے لئے قطعاً تیار نہیں اور اسی طرح نماز جنازہ کی تکبیرات میں رفع یدین کے متعلق امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:
”اکثر اہل علم صحابہ کرام اور دیگر حضرات کا یہی خیال ہے کہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنی چاہئے۔“

(ترمذی ج ۱ ص ۶۴۴ مترجم مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ، درسی نسخہ مع العرف الشذی ج ۱ ص ۷۰-۷۱ ح ۱۰۷)

لیکن آل دیوبند امام ترمذی رحمہ اللہ کی یہ بات بھی تسلیم نہیں کرتے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کے استاذ اور امام المحدثین سیدنا امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:
”ترک رفع یدین کا علم نہ تو نبی ﷺ سے (ثابت) ہے اور نہ نبی ﷺ کے کسی صحابی سے کہ اس نے رفع یدین نہیں کیا۔“

(جزء رفع یدین مترجم حافظ علی زئی حفظہ اللہ ص ۶۴، جزء رفع یدین مترجم اوکاڑوی ص ۳۰۴)

آل دیوبند امام بخاری رحمہ اللہ کی اس بات کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔

ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ”اسی طرح امام بخاریؒ نے نہ کسی صحابی کا زمانہ پایا اور نہ تابعین میں سے کسی کا۔ اس لئے صحابہؓ اور تابعینؓ کے بارے میں آپؐ کی بے سند رائے قابل قبول نہیں۔“ (جزء رفع یدین مترجم امین اوکاڑوی ص ۳۰۷)

آل دیوبند کے نزدیک جب امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے قابل قبول نہیں تو امام ترمذی رحمہ اللہ کی رائے کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ سے پہلے کسی محدث نے بھی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت کو حسن یا صحیح نہیں کہا بلکہ محدثین کی اکثریت نے اس روایت کو ضعیف یا

معلول قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے نور العینین (ص ۱۳۰، طبع جدید)
ماسٹر امین اوکاڑوی نے ابن حزم کے حوالہ سے لکھا ہے: ”یہ حدیث صحیح ہے“

(تجلیات ج ۲ ص ۳۵۳)

ماسٹر امین اوکاڑوی نے ایک اور جگہ لکھا ہے: ”کسی امتی کی رائے سے کسی حدیث کو صحیح یا
ضعیف کہنا اہل رائے کا کام ہے نہ کہ اہل حدیث کا۔ اور یہ تقلید ہے۔“

(تجلیات صفحہ ۷ ص ۱۷۱)

ماسٹر امین اوکاڑوی نے خود اپنے ہی اصول کے مطابق حافظ ابن حزم کی تقلید کی ہے
اور ابن حزم کے متعلق ماسٹر امین اوکاڑوی نے علانیہ کہا تھا: ”ابن حزم جھوٹا ہے۔“

(فتوحات صفحہ ۲ ص ۶۳)

ابن حزم کے متعلق سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ”.... متعدد معلومات افزا کتابیں لکھ کر بہت
بڑی دینی خدمت کی ہے جو رہتی دنیا تک یاد رہیگی، ان کا علم بڑا طویل اور عریض تو تھا مگر صد
افسوس ہے کہ ظاہریت کی وجہ سے عمیق نہ تھا اور بعض اصولی اور فروعی مسائل میں انہوں نے
ٹھوکریں کھائی ہیں اور علماء ربانی نے ان کا بعض مسائل میں خوب تعاقب کیا ہے۔“

(تسکین الصدور ص ۱۱۵)

محدثین کی اکثریت نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت کو
ضعیف کہا ہے اور ان محدثین کے مقابلے میں آل دیوبند کا ابن حزم کی بات کو قبول کرنا بڑا
عجیب و غریب ہے، کیونکہ وہ ابن حزم کو جھوٹا بھی کہتے ہیں اور محدث بھی کہتے ہیں۔

ابن حزم کی تحقیق میں امام ابو حنیفہ نماز جنازہ کی تکبیروں میں رفع یدین کے قائل تھے، اس
لئے ابن حزم نے امام ابو حنیفہ کے متعلق کہا: ”حیرت ہے جہاں نماز میں رفع یدین ثابت
ہے وہاں انکار کرتے ہیں اور جہاں ثابت نہیں وہاں کرتے ہیں“

(حدیث اور اہل تقلید ج ۲ ص ۶۳۳)

ابن حزم رفع یدین کو منسوخ ہرگز نہیں سمجھتے تھے بلکہ رفع یدین کرنے کے بھی قائل

تھے۔ دیکھئے محلی (ج ۴ ص ۸۷-۸۸ مسئلہ ۴۴۲)

اس روایت (سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث) کی سند میں ایک راوی سفیان ثوری رحمہ اللہ ہیں اور وہ مدلس تھے جیسا کہ آل دیوبند کے مشہور امام بدرالدین عینی حنفی نے لکھا ہے: ”و سفیان من المدلسین والمدلس لا یحتج بعننته إلا أن ینت سماعه من طریق آخر“ اور سفیان مدلسین میں سے ہیں اور مدلس کی عن والی روایت سے حجت نہیں پکڑی جاتی، الا یہ کہ اس کے سماع کی تصریح دوسری سند سے ثابت ہو جائے۔

(عمدة القاری ج ۳ ص ۱۱۲ تحت حدیث ۲۱۴)

اس کے علاوہ بہت سے محدثین بلکہ آل دیوبند اور ان کے اکابر نے بھی سفیان ثوری کا مدلس ہونا تسلیم کیا ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے نور العینین (طبع جدید ص ۱۳۴-۱۳۵، ۲۱۶، ۲۲۸، ۲۸۸)

اصول حدیث سے بعض ناواقف لوگ اس اعتراض کے جواب میں مدلس راوی کی توثیق بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی مدلس راوی ہیں تو کیا وہ روایات بھی ضعیف ہیں؟

جبکہ اصول حدیث کی رو سے راوی کے مدلس ثابت ہو جانے کے بعد، اس راوی کی صرف توثیق ہی نہیں بلکہ سند میں سماع کی صراحت یا ثقہ راوی کی متابعت کی ضرورت ہوتی ہے، جیسا کہ احناف کے علامہ بدرالدین عینی حنفی کی عبارت سے واضح ہے۔

آل دیوبند کے امام سرفراز صفدر نے کہا ہے: ”مدلس راوی عن سے بیان کرے تو وہ حجت نہیں الا یہ کہ وہ تحدیث کرے یا اس کا کوئی ثقہ متابع ہو مگر یاد رہے کہ صحیحین میں تدلیس مضر نہیں۔ وہ دوسرے طرق سے سماع پر محمول ہے۔ (مقدمہ نوی ص ۱۸، فتح المغیث ص ۷۷ و تدریب الراوی ص ۱۴۴)“ (خزائن السنن ج ۱ ص ۱)

عبدالقادر قارن دیوبندی نے لکھا ہے: ”محدثین کرام کا متفقہ نظریہ کہ صحیحین میں تدلیس مضر نہیں“ (مجدد بانہ وادیا ص ۲۴۷)

ماسر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ”حالانکہ صحیحین میں تدلیس مضر نہیں بلکہ سماع پر محمول ہوتی ہے (نووی شرح مسلم ص 18)“ (تجلیات صفحہ ۳ ص ۶۳۶)

تنبیہ: اگر آل دیوبند کے نزدیک سفیان ثوری کی تدلیس طبقہ ثانیہ کی وجہ سے مضر نہیں ہے تو پھر اسی طبقہ کے مدلس سفیان بن عیینہ کی تدلیس بھی مضر نہیں ہونی چاہئے۔

سفیان بن عیینہ نے ایک حدیث ”عن جامع بن أبي راشد عن أبي وائل قال حذيفة ... أن رسول الله ﷺ قال: لا اعتكاف إلا في المساجد الثلاثة: المسجد الحرام و مسجد النبي ﷺ و مسجد بيت المقدس ...“ بیان کی ہے، جس کا مفہوم درج ذیل ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین مسجدوں کے علاوہ اعتکاف نہیں ہوتا: مسجد حرام، مسجد نبوی ﷺ اور مسجد اقصیٰ: بیت المقدس۔ (دیکھئے شرح مشکل الآثار للطحاوی ۲۰۱/۷ ج ۷ ص ۷۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ۳۱۶/۴، سیر اعلام النبلاء للذہبی ۸۱/۱۵ وقال الذہبی: ”صحیح غریب عال“؛ مجمع الاسماعیلی ۳۲۶)

سفیان بن عیینہ سے اسے تین راویوں: محمود بن آدم المروزی، ہشام بن عمار اور محمد بن الفرج نے روایت کیا ہے اور یہ سب صدوق (سچے راوی) تھے۔

جامع بن ابی راشد ثقہ فاضل تھے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۸۸۷ وھومن رجال السنۃ) ابووائل شقیق بن سلمہ ثقہ تھے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۲۸۱۶ وھومن رجال السنۃ وھومن الخضرین)

یہ روایت سفیان بن عیینہ کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔ جو لوگ سفیان بن عیینہ کے عنعنہ کو صحیح سمجھتے ہیں یا حافظ ابن حجر کے طبقہ ثانیہ میں مذکورین کی معنعن روایات کی حیثیت کے قائل ہیں، انھیں چاہئے کہ وہ تین مساجد مذکورہ کے علاوہ ہر مسجد میں اعتکاف جائز ہونے کا انکار کر دیں۔ دیدہ باید!

جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ دونوں (سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ) طبقہ ثانیہ کے نہیں بلکہ طبقہ ثالثہ کے مدلس تھے۔ دیکھئے الفتح المبین (ص ۴۰)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب زیر بحث روایت کی سند میں ایک

راوی عاصم بن کلیب ہے اور آل دیوبند کے مشہور مناظر عبدالستار توسوی نے علانیہ کہا:
”ابوبکر بن عیاش کے علاوہ اس روایت میں ایک راوی عاصم ہے۔ میزان الاعتدال میں
ابن عکبہ اور یحییٰ بن قطان کا یہ قول ہے کہ عاصم نام کے جتنے راوی ہیں ان کا حافظہ خراب
ہے۔“ (بے نظیر و اجاب مناظرہ ص ۷۶-۷۷)

عاصم بن کلیب پر جرح مردود ہے اور یہ جرح الزامی طور پر نقل کی گئی ہے تاکہ ایسے
دیوبندیوں کو آئینہ دکھایا جائے جو راوی پر جرح و تعدیل اور حدیث کی تصحیح و تضعیف کے
معاملے میں علامہ البانی وغیرہ کے ایسے اقوال پیش کرتے ہیں جو جمہور محدثین کے فیصلوں
کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر مقبول ہوتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب زیر بحث روایت کو جمہور محدثین نے
ضعیف کہا ہے اور آل دیوبند کے امام سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ”بلا شک امام محمد بن عابدین
شامی (المتوفی ۱۲۵۲ھ) کا مقام فقہ میں بہت اونچا ہے لیکن فن حدیث اور روایت میں
محدثین ہی کی بات قابل قبول ہوتی ہے جو جرح و تعدیل کے مسلم امام ہیں“ (باب جنت ص ۶۵)
سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب زیر بحث روایت کے صحیح ہونے پر
محدثین کا اتفاق نہیں، جبکہ رفع یدین کی احادیث بخاری و مسلم میں موجود ہیں جن کے صحیح
ہونے پر اتفاق ہے۔ آل دیوبند کے ”شیخ الاسلام مفتی“ تقی عثمانی نے کہا ہے:
”اور نسخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ قوت کے اعتبار سے منسوخ کے برابر ہو یا بڑھ کر ہو“

(درس ترمذی جلد ۱ ص ۱۹۳)

امام ترمذی اور علامہ ابن حزم کا مقام آل دیوبند کے نزدیک کیا ہے، آپ دیکھ چکے
ہیں۔ ان کے علاوہ کسی تسلیم شدہ مستند محدث نے اس روایت کو صراحت کے ساتھ حسن یا صحیح
نہیں کہا بلکہ ضعیف کہا ہے اور ماضی قریب یا موجودہ دور کے علمائے اہل حدیث تو کیا علمائے
احناف کا بھی کسی حدیث کو صحیح کہنا آل دیوبند کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتا۔ آل دیوبند
کے علامہ عبدالحی لکھنوی نے ایک ایسی حدیث کو جو آل دیوبند کی طبیعت کے خلاف تھی صحیح

کہہ دیا تھا تو اس کے جواب میں امجد سعید دیوبندی نے اپنے امام سرفراز صمد رکا قول یوں نقل کیا ہے:

”ان اکابر کا اس حدیث کو صحیح، حسن، جید اور قوی کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا“ (سیف حنفی ص ۱۵۲) مذکورہ تفصیل کے بعد اب دیکھنا یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت اگر واقعتاً ان سے (بفرض محال) ثابت بھی ہوتی تو کیا رکوع کے وقت رفع یدین کرنا اس روایت سے منسوخ بھی ثابت ہوتا یا نہیں؟!؟

دیوبندیوں اور بریلویوں کے پیر طریقت ابن عربی صوفی نے لکھا ہے: ”یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی روایات کا زیادہ سے زیادہ یہ مفہوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے وقت ایک بار رفع الیدین کرتے ایک سے زیادہ بار نہ کرتے یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت ایک بار ہی رفع الیدین کرتے دوبارہ نہ کرتے تھے۔“

(الفتوحات المکیہ ج ۱ ص ۵۳ باب ۶۹ طبع دار احیاء التراث ۱۹۹۸ء بحوالہ حدیث اور اہل تقلید ج ۱ ص ۲۵) مولانا محمد داود ارشد حفظہ اللہ نے لکھا ہے: ”اور مؤلف حدیث اور اہل حدیث (انوار خورشید دیوبندی) تو ابن عربی وغیرہ کے خلاف بات کرنے پر موت آنے کا قائل ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ شہید ملت علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ نے ابن عربی وغیرہ کے خلاف ایک کتاب تحریر کی تھی، اب اگلی داستان خود انوار صاحب کی زبانی ملاحظہ کریں، فرماتے ہیں۔ تصوف اور صوفیہ کرام سے آپ کو نفرت تھی، چنانچہ آپ نے وفات سے چند روز پہلے تصوف اور صوفیاء کے خلاف عربی میں کتاب لکھی، التصوف منشاء و مصدرہ، اور اس کے چند روز بعد ہی ارشاد خداوندی ”جس نے میرے ولی سے دشمنی کی تو اس سے میرا اعلان جنگ ہے“ کا شکار ہو گئے (مقدمہ رسائل اہل حدیث ص ۶۴ حصہ اول)“

(حدیث اور اہل تقلید ج ۱ ص ۷۰۹)

اور اگر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت کا (بفرض محال) یہ مطلب بھی لیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پوری نماز میں صرف ایک دفعہ رفع یدین کرتے تھے تو

رفع یدین کی احادیث کے ثبوت کی موجودگی میں اس میں منسوخیت والی کون سی بات ہے؟
ہاں! اگر اس روایت کے الفاظ یہ ہوتے کہ نبی ﷺ پہلے رکوع کے وقت رفع یدین کرتے
تھے، پھر منع کر دیا تو یہ روایت منسوخیت کی دلیل بن سکتی تھی جیسا کہ تطبیق (یعنی رکوع کے
وقت دونوں ہاتھ جوڑ کر گھٹنوں کے درمیان رکھنے) کے متعلق سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
نے فرمایا ہے کہ ہم پہلے تطبیق کرتے تھے، پھر ہمیں اس سے منع کر دیا گیا اور ہاتھ گھٹنوں پر
رکھنے کا حکم دیا گیا، تفصیل آگے آرہی ہے۔ ان شاء اللہ
وضو کے متعلق تین طرح کی صحیح احادیث موجود ہیں۔

ایک حدیث میں اعضاء وضو کو صرف ایک بار دھونے کا ثبوت ہے اور دوسری حدیث
میں صرف دو بار دھونے کا ثبوت ہے اور تیسری حدیث میں تین تین بار دھونے کا ذکر
ہے۔ دیکھئے تفہیم البخاری (ج ۱ ص ۱۳۴، صحیح بخاری مترجم ظہور الباری)
صحیح بخاری کی ان احادیث کی شرح میں ظہور الباری اعظمی دیوبندی نے لکھا ہے:
”یہ بیان جواز ہے یعنی اگر ایک ایک بار اعضاء کو دھولیا جائے تو وضو پورا ہو جاتا ہے اگرچہ
سنت پر عمل کرنے کا ثواب نہیں ہوتا جو تین تین دفعہ دھونے سے ہوتا ہے۔ دو بار دھونے
سے بھی وضو ہو جاتا ہے اگرچہ سنت اداء نہیں ہوتی۔“ (تفہیم البخاری ۱۳۴)

اب اگر کوئی شخص صرف ایک دفعہ اعضاء دھونے والی حدیث پیش کر کے دو دفعہ اور تین دفعہ
اعضاء دھونے والی احادیث کو منسوخ کہنا شروع کر دے اور یہ شور مچانا شروع کر دے کہ
امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے تو سب سے پہلے تین دفعہ اعضاء دھونے والی حدیث بیان کی ہے،
پھر دو دفعہ والی، پھر ایک دفعہ والی، لہذا تین دفعہ اور دو دفعہ اعضاء دھونے والی حدیث منسوخ
ہے تو آل دیوبند بھی اس کی بات کو غلط کہیں گے۔ بالکل اسی طرح جن احادیث میں تین یا
چار مقامات پر رفع یدین کا ذکر ہے، ان کے مقابلے میں ایک دفعہ رفع یدین والی ضعیف
روایت پیش کر کے تین یا چار مقامات پر رفع یدین کی احادیث کو منسوخ کہنا بھی غلط ہے۔

۱: شاید اسی وجہ سے آل دیوبند کے ”فخر المحمدين“ فخر الدین احمد سابق صدر المدرسين

دارالعلوم دیوبند نے کہا ہے: ”فقہاء احناف میں جن لوگوں نے رفع یدین پر کراہت کی کوئی بات کہی ہے وہ بیجا تشدد پر مبنی ہے اور اکابر دیوبند کے ذوق اعتدال کے منافی ہے۔“

(غیر مقلدین کیا ہیں؟ جلد ۵ ص ۵۵۵)

۲: آل دیوبند کے ”شیخ الاسلام“ محمد تقی عثمانی نے بھی رفع یدین کی منسوخت کا انکار کیا ہے۔ (دیکھئے تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۵۸)

تقی عثمانی نے مزید کہا: ”رفع اور ترک رفع دونوں ثابت اور جائز ہیں۔“

(درس ترمذی جلد ۲ ص ۳۸)

۳: آل دیوبند کے ”مفسر قرآن“ صوفی عبدالحمید سواتی نے لکھا ہے: ”رکوع جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین نہ کرنا زیادہ بہتر اور اگر کر لے تو جائز ہے۔“

(نماز مسنون ص ۳۴۹)

۴: آل دیوبند کے مشہور مناظر محمد منظور نعمانی نے رفع یدین کے متعلق لکھا ہے: ”آئمہ مجتہدین کے درمیان اس بارے میں بھی اختلاف صرف ترجیح اور افضلیت کا ہے، دونوں طریقوں کے جائز اور ثابت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔“ (معارف الحدیث جلد ۳ ص ۲۶۵)

منظور نعمانی صاحب نے مزید لکھا ہے: ”رفع اور ترک رفع کا جواز سب کے نزدیک مسلم ہے۔“ (معارف الحدیث جلد ۳ ص ۲۶۹)

۵: آل دیوبند کے ”شیخ الحدیث اور شیخ الہند“ محمود حسن دیوبندی نے رفع یدین کے متعلق کہا: ”ہم کہتے ہیں کہ جواز میں تو کسی کو کلام نہیں۔ فقط استحباب میں گفتگو ہے۔“

(تقاریخ الہند ص ۶۶)

۶: آل دیوبند کے ”مفتی“ محمد یوسف لدھیانوی نے رفع یدین کے متعلق لکھا ہے: ”ان مسائل میں باتفاق امت دونوں صورتیں جائز ہیں“

(اختلاف امت اور صراطِ مستقیم جلد ۲ ص ۱۶، دوسرا نسخہ حصہ دوم ص ۱۴، تیسرا نسخہ ص ۲۷۲)

لدھیانوی صاحب نے مزید لکھا ہے: ”رفع یدین اور ترک رفع یدین باجماع امت

دونوں جائز ہیں۔“ (اختلاف امت اور صراطِ مستقیم ص ۱۷ جلد ۲، دوسرا نسخہ حصہ دوم ص ۱۵، تیسرا نسخہ ص ۲۷۳)
۷: انور شاہ کشمیری نے فرمایا: ”یہ جاننا چاہئے کہ رفع یدین بلحاظ سند و عمل متواتر ہے اور اس میں کوئی شک نہیں اور رفع یدین منسوخ نہیں ہوا۔“

(نیل الفرقدین ص ۱۲۲، بحوالہ نور العینین ص ۳۲۲ طبع جدید)

۸: رفع یدین کے بارے میں دیوبندیوں کے مسلم بزرگ شاہ ولی اللہ کا حوالہ امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ”والحق عندی فی مثل ذالک ان الکمل سنة کہ رفع یدین اور ترک رفع یدین دونوں سنت ہیں۔“ (تجلیات صفحہ ۲/۴۵۱، حجۃ اللہ البالغا ردوا ۳۶۱/۱، عربی ۱۰/۲)
اوکاڑوی نے ان کے متعلق مزید لکھا ہے: ”ان کی رائے یہ ہے کہ رفع یدین کرنے والا مجھے زیادہ پسند ہے نہ کرنے والے سے“ (تجلیات صفحہ ۲/۴۵۱، حجۃ اللہ البالغا ردوا ۳۶۱/۱، عربی ۱۰/۲)
۹: اشرف علی تھانوی دیوبندی نے بھی کہا: ”رفع الیدین بھی جائز ہے۔“

(ملفوظات حکیم الامت ۱۷۱/۲۶)

تھانوی صاحب سے سوال کیا گیا:

”سوال (208) رفع یدین فی الصلاۃ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے جیسا کہ عدم رفع بھی جائز ہے“ (امداد الفتاویٰ ۱۲۸)

۱۰: تھانوی صاحب نے شاہ عبدالقادر کے متعلق کہا: ”حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے ان سے فرمایا کہ جہر آمین اور رفع یدین بلاشبہ سنت سے ثابت ہیں اور بہت سے ائمہ مجتہدین کا اس پر عمل ہے۔ اگر اس پر کوئی عمل کرے تو فی نفسہ کوئی مضائقہ نہیں“ (ملفوظات حکیم الامت ۶۹/۲۴)
۱۱: عبدالحی حنفی جن کو امین اوکاڑوی اور صوفی عبدالحمید سواتی نے استاذ العلماء کہا (دیکھئے تجلیات صفحہ ۳/۳۵۱، نماز مسنون ص ۳۰۴) نے بھی دعویٰ منسوحیت کو بے دلیل قرار دیا۔

(دیکھئے التعلیق لمجد ص ۹۱)

۱۲: علامہ ابوالحسن نے رفع یدین کے منسوخ ہونے کا انکار کیا۔

(دیکھئے شرح سنن ابن ماجہ ۲۸۲/۱ تحت حدیث ۸۵۸)

۱۳: بدر عالم میرٹھی نے بھی یہی کہا کہ رفع یدین منسوخ نہیں۔ (البدرا لاری ۲/۲۵۵)
۱۴: رشید احمد گنگوہی دیوبندی نے لکھا ہے: ”آمین بالجہر اور قرات خلف الامام رفع یدین یہ امور سب خلاف بین الائمہ ہیں اور اگر کوئی شخص ہوائے نفسانی اور ضد سے خالی ہو کر محض محبت سنت کی وجہ سے یہ امور کرتا ہو تو اس پر کوئی طعن و تشنیع اور الزام دہی درست نہیں ہے“

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۵۱، تالیفات رشیدیہ ص ۲۸۱)

گنگوہی نے یہ بھی کہا: ”کہ (اتنے) سال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات بغیر آپ سے پوچھے نہیں کی۔“ (ارواح ثلاثہ ص ۳۰۸ حکایت نمبر ۷۰)

۱۵: سرفراز صفدر دیوبندی کے پوتے عمار خان ناصر کے رسالہ ماہنامہ الشریعہ میں مفتی مظہر بقا دیوبندی کی کتاب ”حیات بقا“ سے ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ جس کے مطابق مفتی مظہر بقا صاحب نے لکھا ہے: ”رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین چونکہ صحیح اور قوی احادیث سے ثابت ہے، اس لیے کبھی کبھی رفع یدین کر لیتا ہوں۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک مرتبہ اپنی نجی مجلس میں حاضرین سے فرمایا تھا: کبھی کبھی رفع یدین بھی کر لیا کرو، کیونکہ اگر قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم میری یہ سنت بھی تو صحیح طریقہ پر پہنچی تھی، تم نے اس پر کیوں عمل نہ کیا تو کوئی جواب نہ بن پڑے گا۔“ (ماہنامہ الشریعہ نومبر ۲۰۰۵ء ص ۲۲)

تنبیہ: ماہنامہ الشریعہ نومبر ۲۰۰۵ء انٹرنیٹ پر بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

WWW.ALSHARIA.ORG

قارئین کرام! آپ نے دیوبندی علماء کے حوالے ملاحظہ فرمائے ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ جو عمل منسوخ ہو وہ جائز نہیں ہوتا۔ دیکھئے نماز میں باتیں کرنا منسوخ ہے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نماز میں باتیں نہ کرنا بہتر ہے اگر کوئی کر لے تو جائز ہے؟ اسی طرح بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا منسوخ ہے، تو کیا کوئی دیوبندی یہ کہہ سکتا ہے کہ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا بہتر اور بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز

پڑھنا بھی جائز ہے!

اگر رکوع کے وقت رفع یدین کرنے سے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت کی مخالفت ہوتی ہے تو نماز عیدین اور نماز وتر میں دیوبندی اور بریلوی بھی ایک سے زیادہ دفعہ رفع یدین کر کے اس ضعیف حدیث کی مخالفت کرتے ہیں، کیونکہ اس ضعیف حدیث میں کسی بھی نماز کا نام نہیں اور یہ حدیث اگر عام ہے تو آل دیوبند کے مفتی محمد یوسف لدھیانوی نے لکھا ہے: ”یہ مسلمہ اصول ہے کہ خاص واقعہ کا اعتبار نہیں ہوتا۔ بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے“ (اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ دوم ص ۱۲۸، دوسرا نسخہ ص ۹۳)

مثال کے طور پر اگر آل دیوبند سے پوچھا جائے کہ نبی ﷺ نماز میں ہاتھ کہاں باندھتے تھے؟ تو آل دیوبند فوراً کہیں گے: ناف کے نیچے اور اپنے اس دعویٰ پر وہ جو بھی ضعیف، موضوع اور من گھڑت روایات پیش کرتے ہیں، کسی میں بھی نماز عیدین اور نماز وتر کا ذکر نہیں لیکن پھر بھی ان روایات کو نماز عیدین اور نماز وتر کے متعلق بھی سمجھتے ہیں، آخر کیا وجہ ہے کہ آل دیوبند اور آل بریلی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت کو نماز عیدین اور نماز وتر کے متعلق نہیں سمجھتے؟

اس کے جواب میں بعض آل دیوبند کہتے ہیں کہ نماز وتر کی تیسری رکعت میں رفع یدین کرنا خود سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے اور نماز عیدین کی زائد تکبیرات میں رفع یدین کرنے پر اجماع ہے۔ لیکن آل دیوبند کی یہ دونوں ہی باتیں خود ان کے اصولوں کے مطابق غلط ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نماز وتر میں رفع یدین کرنے کی جو روایت آل دیوبند پیش کرتے ہیں، اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے اور آل دیوبند کے امام سرفراز صفدر دیوبندی نے ایک روایت کے بارے میں لکھا ہے:

”یہ اثر بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے امام دارقطنی (جلد ۱ ص ۱۲۶ میں) امام بیہقی (کتاب القراءة ص ۱۰۷ میں) اور امام احمد، امام یحییٰ اور امام نسائی وغیرہ سب اس کو ضعیف اور کمزور کہتے ہیں۔ (میزان جلد ۲ ص ۲۶۰، تہذیب

التہذیب جلد ۸ ص ۴۶، قانون الموضوعات ص (۲۸۷)“

(احسن الکلام جلد ۲ ص ۱۲۸، دوسرے نسخہ ص ۱۴۰)

لیث بن ابی سلیم کو امین اوکاڑوی دیوبندی نے بھی ضعیف کہا۔ دیکھئے تجلیات صفدر (۵۹/۵)

فقیر اللہ دیوبندی نے بھی لیث بن ابی سلیم کو ضعیف ثابت کیا۔ (دیکھئے خاتمۃ الکلام ص ۱۰۱)

تقی عثمانی دیوبندی نے بھی لیث بن ابی سلیم کو مشکم فیہ کہا۔ (دیکھئے درس ترمذی ۲۳۳۱)

آل دیوبند کے امام زلیعی حنفی نے بھی لیث بن ابی سلیم کو ضعیف کہا۔

(دیکھئے نصب الراية جلد ۳ ص ۹۶ سطر آخری)

بدر الدین عینی حنفی نے بھی لیث بن ابی سلیم کو ضعیف کہا۔ (عمدة القاری ص ۴۹۵)

علامہ سیوطی نے لکھا ہے: ”فإن لیث بن أبي سليم متفق علی ضعفه“

لیث بن ابی سلیم کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔ (الحاوی للفتاویٰ للسیوطی ۷/۳-۸)

دوسری بات یہ ہے کہ اس ضعیف اثر میں بھی ہاتھ اٹھانے سے دعا کی طرح ہاتھ اٹھانا

مراد ہے۔

حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے لکھا ہے: ”لیث بن ابی سلیم، جمہور محدثین کے نزدیک

ضعیف ہے، وہ آخری عمر میں بد حافظہ بھی ہو گیا تھا اور اس پر تدلیس کا الزام بھی ہے۔ تاریخ

یحییٰ بن معین (۴۱۰۲ روایتہ الدوری) میں اس روایت میں یہ صراحت ہے کہ عبد اللہ بن

مسعود بن اللہ اپنے سینے تک دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے (یعنی اس رفع یدین سے مراد دعا والا رفع

یدین ہے)“ (جزء رفع الیدین مترجم ص ۱۰۰ حاشیہ)

نماز عیدین کی زائد تکبیرات میں رفع یدین کے متعلق اجماع کا دعویٰ بھی غلط ہے۔

آل دیوبند کے نزدیک ”انتہائی معتبر امام“ محمد بن حسن بن فرقد شیبانی نے اپنی کتاب،

کتاب الاصل کے صفحہ ۳۷-۳۸ (جلد ۱) پر نماز عیدین کی زائد تکبیرات کے وقت رفع

یدین کا انکار کیا ہے۔“ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے الاوسط لابن منذر (جلد ۲ ص ۲۸۲)

آل دیوبند کے فخر المحدثین فخر الدین احمد نے لکھا ہے: ”رہا تکبیرات عیدین کا معاملہ

تو اول تو یہ اختلافی مسئلہ ہے، امام ابو یوسف کے یہاں رفع یدین نہیں ہے“

(غیر مقلدین کیا ہیں؟ ص ۵۵۱ جلد ۱، نیز دیکھئے اشرف الہدایہ ۳۸۳/۲)

تو پھر یہ کیسا اجماع ہے جس سے آل دیوبند کے صاحبین ہی خارج ہیں؟!

بلکہ امین اوکاڑوی نے تو یہاں تک لکھا ہے: ”چنانچہ شامی میں ہی ہے کہ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام حسنؒ، امام زفرؒ سب نے بڑی مضبوط قسمیں کھا کر بیان کیا کہ ہمارا ہر قول امام صاحبؒ سے ہی منقول ہے۔“ (تجلیات صفحہ ۱۵۹/۶)

کیا اختلاف کو اجماع کہا جاسکتا ہے؟ جبکہ ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی نے لکھا ہے:

”اجماع امت کا مخالف بعض کتاب و سنت دوزخی ہے۔“ (تجلیات صفحہ ۲۸۷/۱)

اوکاڑوی نے مزید لکھا ہے: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجماعی فیصلوں سے

انحراف کرنے والے کو شیطان اور دوزخی قرار دیا ہے (مشکوٰۃ)“ (تجلیات صفحہ ۱۸۹/۶)

رفع یدین کے بارے میں بعض آل دیوبند عوام الناس کو یہ کہہ کر تسلی دیتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو ہمیشہ نبی ﷺ کے ساتھ رہے ہیں اور جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رفع یدین کی احادیث مروی ہیں وہ یا تو بچے تھے یا مسافر (!) چنانچہ آل دیوبند کے مناظر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ”امام بخاریؒ نے کسی بدری صحابی سے نہیں بلکہ ایک بچے ابن عمرؓ اور ایک بیس رات کے مسافر حضرت مالک بن الحویرثؒ سے رفع یدین نامکمل ۹ جگہ ثابت کی۔“ (تجلیات صفحہ ۹۴/۷)

اوکاڑوی نے بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مزید لکھا ہے: ”امام مسلمؒ نے ایک

چھلانگ اور لگائی اور ان کے ساتھ ایک مسافر صحابی حضرت وائل بن حجرؓ اور تلاش کر لیا۔“

(تجلیات صفحہ ۹۴/۷)

ماسٹر امین اوکاڑوی کے بقول اگر رفع یدین کی احادیث کے راوی صحابی بچے تھے تو یہ بات تو قائلین رفع یدین کے حق میں ہے، کیونکہ انھوں نے نبی ﷺ کی صرف آخری زندگی کو ہی ملاحظہ کیا ہوگا اور آل دیوبند اکثر کہا کرتے ہیں کہ نبی ﷺ شروع شروع میں رفع

یدین کرتے تھے، بعد میں چھوڑ دیا۔ اگر بعد میں چھوڑا ہوتا تو آخری زندگی ملاحظہ کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ہرگز رفع یدین نہ کرتے، حالانکہ آخری زندگی ملاحظہ کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رفع یدین کرتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آخر عمر میں (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی۔“ الحدیث

(صحیح بخاری مترجم از ظہور الباری دیوبندی جلد ۱۵، درسی نسخہ ۲۲/۱، الحدیث نمبر ۶۰۶۰ ص ۱۰)

مذکورہ حدیث سے ثابت ہو گیا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے آخر تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور ان کی نماز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ بھی فرمایا تھا، کیونکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سمجھتے ہو میرا رخ اس طرف (قبلہ کی طرف) ہے خدا کی قسم تمہارا رکوع اور تمہارا خشوع مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میں تمہیں پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔“

(صحیح بخاری جلد ۱ ص ۳۷۶ مترجم ظہور الباری دیوبندی، درسی نسخہ ج ۱ ص ۱۰۲)

سرفراز صفدر دیوبندی نے لکھا ہے: ”رہا یہ سوال کہ پڑھنے والے نے آہستہ قرأت کی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے علم ہوا؟ تو یہ بڑی سطحی قسم کی بات ہے احادیث میں آتا ہے کہ آپ کو نماز کی حالت میں ایک مخصوص کیفیت حاصل تھی۔ جس سے آپ مقتدیوں کے رکوع و سجود اور خشوع کو ملاحظہ کر لیتے تھے (مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۷۷)“

(احسن الکلام ج ۱ ص ۲۳۰، دوسرا نسخہ ص ۲۸۶)

فقیر اللہ دیوبندی نے لکھا ہے: ”نماز کی حالت میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لطافت طبع مزید لطیف ہو جاتی تھی اور آپ امورِ حسیہ سے بڑھ کر امورِ معنویہ کو محسوس کرنے لگتے“ (خاتمہ الکلام ص ۳۰۲)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جو آخر تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں اور ان کی نماز خصوصاً رکوع و خشوع سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پوری طرح باخبر

تھے۔ ایک دیوبندی محمد اسماعیل جھنگوی نے لکھا ہے: ”رفع یدین کا مسئلہ اس صحابی سے لیا جائے گا جو حاضر باش ہو، ساری زندگی آپ ﷺ کے ساتھ رہا ہو۔“

(تحد اہل حدیث ص ۱۰۶ حصہ دوم)

اور نبی ﷺ کی وفات کے تقریباً چونتیس سال بعد نافع تابعی رحمہ اللہ نے ۴۴ھ میں اسلام قبول کیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ خلیفہ بن خیاط (ص ۲۰۶، تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۴ ص ۱۲، حوادث سنہ اربع، بحوالہ نور العینین طبع جدید ص ۲۶۰)

نافع تابعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز میں داخل ہوتے تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے رفع یدین کرتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے رفع یدین کرتے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے اس فعل کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کرتے۔“ (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۰۲، نیز دیکھئے تفہیم البخاری جلد ۱ ص ۳۷۶)

دیوبندیوں کے امام سرفراز صفدر دیوبندی نے لکھا ہے:

”اور امت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ بخاری و مسلم دونوں کی تمام روایتیں صحیح ہیں“

(احسن الکلام جلد ۱ ص ۱۸۷، دوسرا نسخہ ص ۲۳۴)

اوکاڑوی نے لکھا ہے: ”اجماع امت کا مخالف بھص کتاب و سنت و دوزخی ہے“

(تجلیات صفدر ۱ ص ۲۸۷، یہ حوالہ پہلے گزر چکا ہے)

امین اوکاڑوی نے مزید لکھا ہے: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجماعی فیصلوں سے انحراف کرنے والے کو شیطان اور دوزخی قرار دیا“

(تجلیات صفدر ۲ ص ۱۸۹، یہ حوالہ بھی پہلے گزر چکا ہے)

سرفراز صفدر نے محمد عمر اچھروی بریلوی کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

”مگر مولوی محمد عمر صاحب کو بگوش ہوش سننا چاہیئے اور اچھی طرح معلوم ہونا چاہیئے کہ بخاری شریف کی روایت کو ضعیف کہہ دینا خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔“ (ازالۃ الريب ص ۴۱۱)

تبلیغی جماعت کے شیخ الحدیث محمد زکریا صاحب نے کہا: ”ساری روایات بخاری صحیح

ہیں اگر کسی نے کلام کیا ہے تو غلط کیا ہے۔“ (تقریر بخاری ص ۳۵۶)

امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ”بحث حدیث عبداللہ بن عمر بن خطابؓ:

(۱) امام بخاری فرماتے ہیں: ربیع (بصری) لیث (کوفی)، طاؤس (یمنی)، سالم (مدنی) ابو بیر (کلی) اور محارب بن دثار (کوفی) اور نافع (مدنی) نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو رفع یدین کرتے دیکھا“ (جزء بخاری ص ۱۷۹)

امین اوکاڑوی نے امام بخاری رحمہ اللہ کا قول نقل کر کے اس کا جواب یوں دیا:

”جواب: ظاہر ہے یہ واقعہ حج کے موقع کا ہو سکتا ہے، جہاں مکی، مدنی، کوفی، یمنی، بصری سب اکٹھے ہوتے ہیں۔

(۲) بہر حال حج کے موقع پر ان سات شخصوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو رفع یدین کرتے دیکھا۔“ (تجلیات ص ۲۷۶)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے حدیث اور اہل حدیث (ص ۴۰۸)

اب ظاہر ہے یہ سب تابعین کرام رحمہم اللہ اجمعین، نبی ﷺ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے اور انھوں نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد ایک ایسے صحابی رضی اللہ عنہ کو نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا جو نبی ﷺ کی حیات کے آخر تک نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے رہے تھے اور نبی ﷺ ان کی نماز سے پوری طرح باخبر تھے جیسا کہ تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔

اس حقیقت کے باوجود بعض متعصب اور غالی قسم کے لوگ رفع یدین کو منسوخ ثابت کرنے کے لئے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب موضوع ومن گھڑت روایات پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کی زندگی میں ہی رفع یدین کی منسوخیت کا علم تھا۔ حالانکہ آل دیوبند کا اصول ہے کہ اگر کوئی صحابی اپنی بیان کردہ مرفوع حدیث کے خلاف عمل کرے تو صحابی کی عدالت ہی ساقط ہو جاتی ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے تجلیات ص ۵۲ (جلد ۵۲) خزائن السنن (۱/۱۹۱، ۱۹۲) الحدیث

حضور (نمبر ۳۵ ص ۳۱، نمبر ۵۷ ص ۳۲، نمبر ۶۳ ص ۱۶)

بلکہ ماسٹر امین اوکاڑوی نے تو خاص عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ قاعدہ نقل کیا ہے۔ دیکھئے تفہیم البخاری حاشیہ امین اوکاڑوی (جلد ۵ ص ۳۷)

بعض لوگ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتے ہیں کہ امام مجاہد رحمہ اللہ نے ان کو رفع یدین ترک کر کے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں عمل جائز تھے، لیکن یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی ابو بکر بن عیاش ہے جس کا آل دیوبند کے نزدیک حافظ خراب ہو گیا تھا۔ آل دیوبند کے مشہور مناظر اور شیخ العرب والعجم عبدالستار تونسوی نے علانیہ کہا تھا: ”جو روایت تم نے پیش کی ہے اس کی سند میں ایک راوی ابو بکر بن عیاش ہے جس کے متعلق میزان الاعتدال میں ہے ضعیف الحافظہ کثیر الغلط وہی کہ ابو بکر بن عیاش کا حافظہ نہایت کمزور تھا اور بے شمار غلط روایات کرتا تھا۔ امام احمد کا قول ہے کہ وہ حد سے زیادہ کثیر الغلط ہے۔“ (بے نظیر ولا جواب مناظرہ ص ۷۶) آل دیوبند کے اصولوں کے مطابق اگر صحیح بخاری کا بھی کوئی راوی ایسا ہو جس کا حافظہ خراب ہو گیا ہو تو ایسے راوی کی روایات صحیح بخاری میں تو حجت ہوتی ہیں اور دوسری کتابوں میں حافظہ خراب ہونے کے بعد والی روایات ضعیف ہوتی ہیں۔

آل دیوبند کے شیخ الاسلام محمد تقی عثمانی نے کہا: ”بعض اوقات ایک راوی کی احادیث ایک مخصوص زمانہ تک صحیح و مقبول ہوتی ہیں اور اس کے بعد کی روایات ضعیف و مردود، امام بخاری ایسے مواقع پر اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ ایسے راوی کی صرف پہلے دور کی روایات لی جائیں“ (درس ترمذی ۶۵/۱)

عبدالقدوس قارن دیوبندی نے لکھا ہے: ”جن کتب میں صحت کا التزام کیا گیا ہے ان میں راوی کی حیثیت اور ہے اگر وہی راوی کسی دوسری جگہ آجائے تو اس کی حیثیت اور ہوگی“ (مجاز و بانہ وادیل ص ۲۳۷)

عبدالقدوس قارن دیوبندی نے ایک اور جگہ اپنی تائید میں لکھا ہے: ”اور علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: یعنی کسی راوی سے صحیح میں احتجاج کیا گیا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جس حدیث میں بھی ہوگا اس کی حدیث صحیح کی شرط پر ہوگی“ (مجدد بانہ وادیلص ۹۳)

امام احمد رحمہ اللہ جیسے عظیم محدث نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ترک رفع یدین کے اثر کو باطل کہا ہے۔ دیکھئے مسائل احمد روایت ابن ہانی (جلد ۱ ص ۵۰) اسی طرح امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی ترک رفع یدین والے اثر کو باطل اور موضوع قرار دیا ہے۔ دیکھئے خزائن السنن مؤلف سرفراز صفدر (ص ۳۵۱)

ماسٹر امین نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بعد رفع یدین کی حدیث بیان کرنے والے ایک اور صحابی سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کو مسافر کہہ کر رفع یدین سے گلوخلاصی کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، حالانکہ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے بھی نبی ﷺ کی حیات کا آخری زمانہ پایا ہے۔

سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ”جب ابن مسعودؓ مسلمان ہوئے اس وقت حضرت ابن عمرؓ شیرخوار بچے تھے اور بقیہ صحابہؓ جن سے رفع یدین کی روایتیں منقول ہیں بہت بعد کو مسلمان ہوئے“ (خزائن السنن ص ۳۶۰)

اس اعتراف کے باوجود رفع یدین کو ابتدائی دور کا عمل قرار دینا انصافی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

سرفراز صفدر نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ۹ھ میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، پھر کہا: ”اس وقت نبی ﷺ کی عمر مبارک تقریباً باسٹھ سال تھی۔ اور بڑھاپے اور کمزوری کا زمانہ تھا۔“ (خزائن السنن ص ۳۶۴)

اور تیسرے نمبر پر امین اوکاڑوی دیوبندی نے رفع یدین کی حدیث بیان کرنے والے صحابی سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے مسلمانوں کے متفقہ امام، امام مسلم رحمہ اللہ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ امام مسلمؒ نے ایک چھلانگ اور لگائی اور

مسافر صحابی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اور تلاش کر لیا۔“ (تجلیات ۹۴/۷)

حالانکہ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو اس وقت رفع یدین سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا جب تطبیق منسوخ ہو چکی تھی۔ جبکہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے شاگردوں کو جب نماز پڑھائی تو خود بھی تطبیق کی اور اپنے شاگردوں کو بھی عین حالت نماز میں تطبیق کروائی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نبی ﷺ پہلے دور میں رکوع کرتے وقت دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کی بجائے دونوں ہاتھوں کو ملا کر اپنے گھٹنوں کے درمیان رکھا کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ایسے کرتے تھے، اس عمل کو تطبیق کہتے ہیں۔ بعد میں نبی ﷺ نے رکوع کے وقت ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا شروع کر دیئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کا حکم دیا اور تطبیق سے منع کر دیا۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں نے کہا رسول اللہ ﷺ کی نماز دیکھوں گا آپ کس طرح نماز پڑھتے ہیں تو آپ کھڑے ہوئے اور قبلہ کی طرف منہ کیا پھر رفع یدین کیا (دونوں ہاتھ اٹھائے) کانوں کے برابر پھر داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑا جب رکوع کا قصد کیا تو رفع یدین کیا اور دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے جب رکوع سے سر اٹھایا تو اسی طرح رفع یدین کیا۔ الحدیث (نسائی درسی نسخہ جلد ۱ ص ۱۸۶ حدیث ۱۲۶۶، نسائی جلد ۱ ص ۴۱۷ مترجم وحید الزمان) اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ جب سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو نماز میں رکوع کے وقت رفع یدین کرتے دیکھا تھا اس وقت تطبیق منسوخ ہو چکی تھی اور نبی ﷺ نے رکوع کے وقت ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا شروع کر دیئے تھے۔

مصعب بن سعد رحمہ اللہ سے روایت ہے میں نے اپنے باپ (سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) کے بازو میں نماز پڑھی اور اپنے ہاتھ گھٹنوں کے بیچ میں رکھے تو میرے باپ نے کہا اپنی دونوں ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھ کہا کہ پھر میں نے دوبارہ ویسے ہی کیا تو انھوں نے میرے ہاتھ پر مارا اور کہا، ہم منع کئے گئے ایسا کرنے سے اور حکم ہوا دونوں ہتھیلیوں کو گھٹنوں

پر رکھنے کا۔“ (صحیح مسلم ۱۰۸/۲ مترجم)

امروہو جوبی حکم کو کہتے ہیں ”جس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے“ (سیف حنفی ص ۲۸۲)

سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ”امروہو جوب کیلئے ہوتا ہے“ (احسن الکلام ۳۰/۲، دوسرا نسخہ ۳۲/۲) مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ پہلے رکوع کے وقت تطبیق کرتے تھے، بعد میں یہ عمل چھوڑ دیا اور اس سے منع بھی کر دیا اور رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کا حکم دیا، لیکن نبی ﷺ کی وفات کے بعد بھی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تطبیق کرتے تھے اور دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ چنانچہ علقمہ تابعی اور اسود تابعی رحمہما اللہ نے فرمایا:

”وہ دونوں (سیدنا) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انھوں نے کہا کیا تمہارے پیچھے کے لوگ نماز پڑھ چکے انھوں نے کہاں ہاں پھر (سیدنا) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان دونوں کے بیچ میں کھڑے ہوئے اور ایک کو داہنی طرف کھڑا کیا اور دوسرے کو بائیں طرف پھر رکوع کیا تو ہم نے اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا۔ (سیدنا) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمارے ہاتھ پر مارا اور تطبیق کی (یعنی دونوں تھیلیوں کو ملایا) اور رانوں کے بیچ میں رکھا جب نماز پڑھ چکے تو کہا رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے۔“

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۷ مترجم وحید الزمان، درسی نسخہ ۲۰۲/۱ حدیث نمبر ۵۳۲)

صحیح مسلم کی ایک اور روایت کے مطابق سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے علقمہ اور اسود سے یہ بھی فرمایا تھا کہ گویا میں تطبیق کے وقت رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کے اختلاف کی کیفیت کا آج بھی مشاہدہ کر رہا ہوں“ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۰۲ بحوالہ غیر مقلدین کیا ہیں؟ ص ۵۳۳ جلد ۱) عزیز الرحمن دیوبندی فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور نے لکھا ہے:

”پہلا حکم یعنی گھٹنوں کے درمیان ہاتھ رکھنا منسوخ ہو گیا ہے واللہ اعلم بالصواب“

(حاشیہ صحیح مسلم مترجم از عزیز الرحمن جلد ۱ ص ۳۹۹)

محمود حسن دیوبندی نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا: ”تطبیق کے نسخ کا چونکہ ان کو پوری طرح ثبوت نہ ہوا لہذا اخیر تک نہ چھوڑا۔“ (تقاریش اہل ہند ص ۶۵)

تو پھر یہ معلوم ہو جانے کے بعد سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ضعیف حدیث جو کہ پہلے دور کی ہے، اس حدیث سے سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ والی صحیح حدیث جو کہ بعد والے دور کی ہے، جس میں رکوع کی رفع یدین کا ذکر ہے اور رکوع کے وقت ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کا بھی ذکر ہے کیسے منسوخ ہو سکتی ہے۔!؟

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مسئلہ تطبیق کے متعلق ایک دیوبندی مفتی احمد ممتاز نے احادیث سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ایک بہت ہی عجیب بات کہی ہے کہ ان کی رائے میں دونوں عمل برابر ہوں جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ تطبیق اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کو برابر سمجھتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ۲۵۴، فتح الباری ۱/۲۸۷، بحوالہ النور) “ (آٹھ مسائل ص ۳۰)

قارئین کرام! آپ تطبیق کے متعلق ہماری نقل کردہ صحیح مسلم کی روایات ملاحظہ فرما چکے ہیں، جن کے مطابق سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خود بھی تطبیق کرتے تھے اور عین حالت نماز میں ان لوگوں کے ہاتھوں پر مارا کرتے تھے جو گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے تھے اور نماز کے بعد فرماتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے، اس حقیقت کے بعد ”مفتی“ احمد ممتاز کی بات میں ذرہ برابر جان نہیں رہتی۔ اسی لئے اس نے ”ہو سکتا ہے“ سے کام چلانے کی کوشش کی اگر احمد ممتاز دیوبندی کی طرح کوئی یہ بھی کہہ دے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک رفع یدین اور ترک رفع یدین دونوں برابر تھے تو احمد ممتاز اس شخص کی بات کا کیسے انکار کرے گا۔ آخر ”مفتی“ مذکور ہی بتائیں کہ کیا وجہ ہے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور خلیفہ راشد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک تو دونوں عمل برابر ہوں اور آل دیوبند اور ان کے اکابر کے نزدیک دونوں عمل برابر نہ ہوں۔ آل دیوبند کے انتہائی معتبر امام محمد بن حسن بن فرقد شیبانی نے کہا:

”ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تین باتوں کو نہیں مانتے، ان میں ایک تطبیق بھی ہے“

(دیکھئے کتاب الآثار ص ۳۷ حدیث نمبر ۹۵، دوسرا نسخہ ص ۲۱۳، نیز دیکھئے علم الفقہ ص ۲۱۲ حاشیہ)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق جو حوالہ احمد ممتاز دیوبندی نے دیا ہے اس کی سند میں ایک

راوی ابواسحاق السبیبی ہے اور وہ مدلس ہے۔ (دیکھئے تہذیب ۶۶/۸، طبقات المدلسین ص ۴۲)
اور یہ روایت بھی عن سے ہے اور ابواسحاق کی عن والی روایت آل دیوبند کے نزدیک
بھی ضعیف ہوتی ہے۔ (دیکھئے حقیقی نظریات صحابہ ص ۳۵، ۳۹)

امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ”دوسرا راوی ابواسحاق سبیبی ہے جس کا حافظہ آخری زمانہ
میں صحیح نہیں رہا تھا (نودی ص ۷۷ تقریب)“ (تجلیات صفر ۱۳۳۳/۱۳۳۴)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صرف تطبیق کے ہی قائل تھے، گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کے
ہرگز قائل نہ تھے جیسا کہ تفصیل سے عرض کر دیا گیا ہے اور ”مفتی“ احمد ممتاز دیوبندی اور ان
کے ہم نوا دیگر دیوبندی ”حضرات“ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس بات کا ثبوت
دینے میں ناکام ہی رہے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کے بھی
قائل تھے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک صحابی کسی دوسرے علاقے میں چلے جاتے
اور بعد میں نماز سے متعلق کوئی چیز منسوخ ہو جاتی تھی، مثال کے طور پر نماز میں باتیں کرنا
پہلے جائز تھا اور اس دوران میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ملک حبشہ چلے گئے، جب واپس
آئے تو نماز میں باتیں کرنا منسوخ ہو چکا تھا، لیکن انھیں چونکہ اس حکم کی ابھی تک اطلاع نہ
پہنچی تھی اس لئے انھوں نے نبی ﷺ کو ایسے وقت سلام کیا جب نبی ﷺ نماز پڑھ رہے
تھے۔ جواب نہ ملنے پر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فکر مند ہو گئے۔

انوار خورشید دیوبندی نے لکھا ہے: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم
سرزمین حبشہ آنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو نماز کے دوران سلام کرتے تھے تو آپ
جواب دیتے تھے، جب ہم حبشہ سے واپس آئے تو میں نے آپ کو سلام کیا اس حال میں کہ
آپ نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا مجھے قریب و بعید کی فکر
وں نے آگھیرا، (اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بہت ہی پیارے اور نیک بندے اور نبی
ﷺ کے پیارے صحابی غیب نہیں جانتے تھے) میں بیٹھ گیا حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز
پوری فرمائی، میں نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے آپ کو جب کہ آپ نماز

پڑھ رہے تھے سلام کیا تھا۔ آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا؟ آپ نے فرمایا ہے شک اللہ تعالیٰ اپنے معاملے میں جو چاہتے ہیں نئے احکام نازل فرما دیتے ہیں اور ان نئے احکام میں سے یہ حکم بھی ہے کہ تم نماز میں باتیں نہ کرو۔“ (حدیث اور الہجد ص ۵۳۷-۵۳۸)

رفع یدین پر بحث کرتے ہوئے اسماعیل جھنگوی دیوبندی نے رفع یدین کی حدیث بیان کرنے والے ایک صحابی کے متعلق لکھا ہے: ”انہیں کیا پتہ کہ جانے کے بعد احکام میں کیا تبدیلی ہوئی ہے؟“ (تحفہ اہل حدیث ص ۱۰۶ حصہ دوم)

اسی طرح آل دیوبند کے اصولوں کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تبلیغ وغیرہ کے لئے کسی دوسرے علاقے میں چلے گئے ہوں اور ان کے جانے کے بعد تطبیق منسوخ ہوگئی ہو اور نبی ﷺ نے رکوع کے وقت رفع یدین شروع کر دیا ہو اور انھیں اس کی اطلاع نہ پہنچی ہو۔

یہ جواب صرف اس صورت میں ہے جب سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ترک رفع یدین کی روایت صحیح ثابت ہو جائے، لیکن چونکہ جمہور محدثین کے نزدیک ترک رفع یدین کی روایت ہی ضعیف ہے، اس لئے ہماری تحقیق میں نبی ﷺ نے رفع یدین کے بغیر کوئی نماز بھی نہیں پڑھی۔

بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے رفع یدین کی احادیث کو پہلے نقل کیا ہے اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بعد میں نقل کیا ہے اور اس روایت پر ترک اور رخصت کے ابواب قائم کیے ہیں، لہذا رفع یدین منسوخ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اصول ہی سرے سے باطل ہے کیونکہ امام نسائی رحمہ اللہ نے ”رکوع میں کیا پڑھنا چاہئے؟“ اس کے متعلق چھ مختلف ابواب قائم کئے ہیں پھر سب سے آخر میں یہ باب قائم کیا ہے:

”باب الرخصة في ترك الذكر في الركوع“ رکوع میں کچھ نہ پڑھنا۔

دیکھئے سنن نسائی (جلد ۱ ص ۳۵۰ مترجم، درسی نسخہ جلد ۱ ص ۱۶۱ قبل حدیث: ۱۰۵۴)

تو کیا کوئی عقل مند کہہ سکتا ہے کہ رکوع کی تمام تسبیحات منسوخ ہیں؟!

اسی طرح امام نسائی رحمہ اللہ نے سنن النسائی (جلد ۱ ص ۳۷۱ تا ۳۷۶، درسی نسخہ ج ۱ ص ۱۶۸-۱۷۰، قبل ح ۱۱۲۲-۱۱۳۷) میں سجدہ کی چودہ مختلف دعاؤں کے ابواب قائم کئے ہیں اور سب سے آخر میں یہ باب قائم کیا ہے: ”باب الرخصة في ترك الذكر في السجود“ (سنن النسائی ص ۳۷۷ ج ۱، درسی نسخہ ج ۱ ص ۷۰ قبل حدیث ۱۱۳۷)

تو کیا پھر سجدہ کی تمام تسبیحات بھی منسوخ ہیں؟!

اور اگر اصول یہی ہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ جس حدیث کو سب سے آخر میں نقل کریں وہ نسخہ ہوتی ہے اور پہلی احادیث منسوخ ہوتی ہیں تو عرض ہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث کو دو جگہ نقل کیا ہے پہلی مرتبہ (سنن النسائی جلد ۱ ص ۳۴۳، مترجم، درسی نسخہ ۱/۱۵۸ ح ۱۰۲۷) اور دوسری مرتبہ (سنن النسائی جلد ۱ ص ۳۵۲، درسی نسخہ ۱/۱۶۱ ح ۱۰۵۹) پر جبکہ رفع یدین کرنے کی احادیث کو متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے بلکہ سب سے آخر میں رفع یدین کی احادیث کو ہی نقل کیا ہے۔ مثلاً سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی چار مقامات پر رفع یدین کی حدیث کو سنن نسائی (جلد ۱ ص ۳۹۳ مترجم وحید الزمان، درسی نسخہ ۱/۷۶ ح ۱۱۸۳) میں ذکر کیا اور سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کا ثبوت ہے، اسے سنن النسائی (جلد ۱ ص ۴۱۷، مترجم، درسی نسخہ ۱/۱۸۶ ح ۱۲۶۶) میں ذکر کیا ہے تو اس اصول سے رفع یدین نہ کرنے کی روایت منسوخ ہوگی، نیز اگر امام نسائی رحمہ اللہ کے نزدیک رفع یدین منسوخ ہوتا تو امام نسائی رحمہ اللہ رفع یدین کے متعلق بھی نسخہ کا باب قائم کرتے جیسا کہ انھوں نے تطبیق کے متعلق نسخہ کا باب قائم کیا ہے۔

دیکھئے سنن النسائی (جلد ۱ ص ۳۴۵ مترجم، درسی نسخہ ۱/۱۵۹، قبل ح ۱۰۳۳)

تنبیہ: محدثین کرام کے ابواب پہلے اور بعد؟! کے موضوع پر حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے ایک لا جواب مضمون تحریر کیا ہے۔ (دیکھئے الحدیث حضور نمبر ۷ ص ۷، مقالات)

جس کے جواب سے پوری دیوبندیت خاموش ہے۔ دیوبندی اگر بریلویوں کو بھی

اپنے ساتھ ملا لیں، پھر بھی ان شاء اللہ ان کا جواب نہیں دے سکتے۔

اب آخر میں عرض ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ضعیف روایت میں چونکہ رکوع کا ذکر نہیں اور آل دیوبند کے اصول کے مطابق یہ روایت رکوع کے متعلق ہے ہی نہیں کیونکہ آل دیوبند کے ”مفتی“ احمد ممتاز نے لکھا ہے:

”دس نیکیوں والی روایت کا جواب

سوال: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس شخص نے نماز میں رفع یدین کی اس کو ہر اشارہ کے بدلے دس نیکیاں ملیں گے۔

جواب: (۱) اس روایت میں رکوع کا ذکر نہیں لہذا بدوں دلیل رکوع کی رفع یدین مراد لینا درست نہیں“ (آٹھ مسائل ص ۶۳)

اسی اصول کے مطابق یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت میں رکوع کا ذکر نہیں، لہذا بدوں دلیل رکوع کی رفع مراد لینا درست نہیں۔

اور رفع یدین کے قائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں سے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ انھوں نے نبی ﷺ کے ساتھ نبی ﷺ کی حیات کے آخر تک نماز پڑھی ہے اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا رکوع و خشوع نبی ﷺ نماز کی حالت میں بھی ملاحظہ فرمالیتے تھے، جیسا کہ سرفراز صفدر وغیرہ کی عبارتیں گزر چکی ہیں اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، نبی ﷺ کی وفات کے بعد بھی رفع یدین سے نماز پڑھتے تھے جیسا کہ تفصیل کے ساتھ نقل کر دیا گیا ہے۔

انوار خورشید دیوبندی نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے:

”انتہائی متبع سنت صحابی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ“ (حدیث اور اہم حدیث ص ۸۷۴)

آل دیوبند کے امام سرفراز صفدر نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو فقہاء صحابہ میں شمار کیا ہے۔ دیکھئے الکلام المفید (ص ۲۷۰)

آل دیوبند کے امام محمد بن حسن بن فرقد شیبانی نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق

لکھا ہے: ”من فقہا اهل المدينة“ (کتاب الحج علی اہل المدینہ ص ۹۹ جلد ۱)
سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آل دیوبند کے ”فخر الحمد شین حضرت مولانا سید فخر
الدین احمد قدس سرہ سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند و سابق صدر جمعیۃ ہند“ نے لکھا
ہے: ”حضرت ابن عمرؓ کے زمانہ میں رفع یدین کا عمل بھی برائے نام رہ گیا تھا اور بعید نہیں کہ
کچھ لوگ رفع یدین کو بدعت سمجھنے لگے ہوں، اس لیے انھوں نے اس پر زور دینا شروع کیا،
خود کر کے بھی دکھلاتے رہے، زبان سے بھی کہتے رہے فضائل بھی بیان کرتے رہے اور
رکوع میں جاتے ہوئے یا رکوع سے اٹھتے ہوئے ترک رفع کرنے والوں کو کنکر مار کر تنبیہ بھی
کرتے رہے، اور بہر حال انھوں نے رفع یدین کو ختم ہونے سے بچا لیا۔“

(غیر مقلدین کیا ہیں؟ جلد ۱ ص ۵۲۶)

اعلانات

۱: نیوی کی کتاب آثار السنن، اس کی تحقیق و تخریج، ترجمہ اور علمی فوائد کے لئے دیکھئے
حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی کتاب: انوار السنن فی تحقیق آثار السنن۔

یہ کتاب ماہنامہ ضرب حق سرگودھا میں مئی ۲۰۱۲ء (شمارہ نمبر ۲۵) سے سلسلہ وار
شائع ہونا شروع ہو گئی ہے۔ والحمد للہ

۲: اللہ تعالیٰ کے بارے میں آل دیوبند کا یہ عقیدہ ہے کہ امکان کذب تحت قدرت
باری تعالیٰ ہے۔ اس سلسلے میں حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے تحقیقی مضمون کے لئے
دیکھئے: ”رب نواز دیوبندی اور امکان کذب باری تعالیٰ“ (ماہنامہ ضرب حق سرگودھا: ۲۵)

۳: بریلویہ کے رد کے لئے ابو عبد اللہ شعیب محمد سیالکوٹی حفظہ اللہ کے مضمون:

”انبیاء (علیہ السلام) کی امامت کے بریلوی دعوے!“ (دیکھئے ضرب حق: ۲۶ ص ۱۷-۲۱)

۴: ”رب نواز دیوبندی اور بے بسیاں...!“ مجلہ صفہ گجرات (شمارہ ۶: ۱۴) کے

جواب کے لئے دیکھئے ضرب حق (شمارہ: ۲۶ ص ۳۴-۳۹)

محمد زبیر صادق آبادی

تقلید شخصی کی حقیقت آل دیوبند کے اصولوں کی روشنی میں

آل دیوبند کے نزدیک تقلید صرف مسائل اجتہادیہ میں کی جاتی ہے، چنانچہ ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ”صرف مسائل اجتہادیہ میں تقلید کی جاتی ہے“ (تجلیات صفحہ ۳۷۶) آل دیوبند کے نزدیک چار ائمہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل) کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں اور اس پر اجماع ہے۔

چنانچہ سعید احمد پالنپوری دیوبندی نے لکھا ہے: ”چنانچہ چوتھی صدی میں پوری امت مسلمہ نے ان چار ائمہ کی تقلید شخصی پر اجماع کر لیا، اور ان کے علاوہ کی تقلید کو ناجائز قرار دیا۔“

(تسہیل ادلہ کاملہ ص ۸۵)

محمد بلال دیوبندی نے اپنے ”شیخ الاسلام“ ابن ہمام کا قول اس طرح نقل کیا ہے: ”اجماع منعقد ہو گیا اس بات پر کہ چار ائمہ کے علاوہ کسی کی تقلید نہیں ہوگی۔ (فتح القدر بحوالہ فتح لمین ص ۳۷۴، جواہر الفقہ ج ۱ ص ۱۲۲)“ (اطمینان القلوب ص ۱۶)

آل دیوبند کے نزدیک ان چار ائمہ میں سے صرف امام ابوحنیفہ کی تقلید کی جائے گی، کیونکہ ان علاقوں کے متعلق جہاں احناف کی کثرت ہو، سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے:

”... اور ان علاقوں میں احناف اور فقہ حنفی ہی کی کثرت ہے ظاہر امر ہے کہ اگر ان علاقوں میں کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے جو مخصوص نہیں تو حضرت امام ابوحنیفہ کی فقہ سے اگر کوئی شخص اکثر گردن نکالتا ہے تو دوسرے ائمہ کرام کی فقہ تو وہاں سے نہیں اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ وہ من مانی کارروائی کر کے شریعت کے پٹے ہی کو گردن سے اتار پھینکے گا۔ اور اسلام ہی کو خیر باد کہہ دے گا ایسے شخص کے لیے اگر حضرت امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب نہ ہو تو اس کا اسلام کیسے محفوظ رہے گا؟ اور اپنے مقام پر ثابت ہے کہ لاعلمی کے وقت ایسے جاہل کا اہل علم کی طرف رجوع کرنا نص قرآنی سے واجب ہے۔“ (الکلام المفید ص ۱۷۷)

یعنی آل دیوبند کے علماء کو بھی اگر کوئی اجتہادی مسئلہ پیش آجائے تو ان پر بھی جاہل کا اطلاق ہوگا۔

سرفراز صفر نے مزید لکھا ہے: ”اور تقلید شخصی کا یہی معنی ہے کہ ایک ہی ہستی اور ذات کو اپنے پیش نظر رکھ کر اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا دم بھرا جائے۔“ (الکلام المفید ص ۸۲) محمد تقی عثمانی دیوبندی نے لکھا ہے: ”اور دوسری صورت یہ ہے کہ تقلید کیلئے کسی ایک مجتہد عالم کو اختیار کیا جائے، اور ہر ایک مسئلہ میں اسی کا قول اختیار کیا جائے، اُسے ”تقلید شخصی“ کہا جاتا ہے،“ (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۵)

تقی عثمانی صاحب نے مزید لکھا ہے: ”... انھوں نے بعد میں ایک زبردست انتظامی مصلحت کے تحت ”تقلید“ کی مذکورہ دونوں قسموں میں سے صرف ”تقلید شخصی“ کو عمل کے لئے اختیار فرمایا، اور یہ فتویٰ دیدیا کہ اب لوگوں کو صرف ”تقلید شخصی“ پر عمل کرنا چاہئے۔ اور کبھی کسی امام اور کبھی کسی امام کی تقلید کے بجائے کسی ایک مجتہد کو معین کر کے اسی کے مذہب کی پیروی کرنی چاہئے،“ (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۶۱-۶۲)

رشید احمد گنگوہی دیوبندی نے لکھا ہے: ”پہلی صورت کو تقلید شخصی کہتے ہیں کہ ایک شخص واحد کا مقلد ہو کر سب ضروریات دین اس سے ہی حل کرے۔“ (تالیفات رشیدیہ ص ۵۱۸) محمد قاسم نانوتوی دیوبندی نے کہا:

”دوسرے یہ کہ میں مقلد امام ابوحنیفہ کا ہوں، اس لئے میرے مقابلہ میں آپ جو قول بھی بطور معارضہ پیش کریں وہ امام ہی کا ہونا چاہئے۔ یہ بات مجھ پر حجت نہوگی کہ شامی نے یہ لکھا ہے اور صاحب درمختار نے یہ فرمایا ہے، میں ان کا مقلد نہیں۔“ (سوانح قاسمی ص ۲۲۲) اوکاڑوی نے کہا: ”ہم امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں نہ کہ شاہ ولی اللہ کے۔“

(فتوحات صفر ۲/۱۳۳)

محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی نے لکھا ہے: ”پس اس خود رانی کا ایک ہی علاج تھا کہ نفس کو کسی ایک ماہر شریعت کے فتویٰ پر عمل کرنے کا پابند کیا جائے اور اسی کا نام تقلید شخصی ہے۔“

(اختلاف امت اور صراطِ مستقیم حصہ اول ص ۲۳، دوسرا نسخہ حصہ اول ص ۳۴، اضافہ و ترمیم شدہ جدید ایڈیشن)
سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے:

”... اور جو شخص جس امام کا مقلد ہو تو وہ یہ نہ کرے کہ کسی مسئلہ میں کسی ایک امام کی تقلید کرے
اور کسی میں کسی کی کیونکہ یہ کاروائی دین کو کھلونا بنا دیگی“ (الکلام المفید ص ۱۷۴)
مزید دیکھئے اطمینان القلوب (ص ۱۶) اور تجلیاتِ صفدر (۵۱/۲)

زروی خان دیوبندی نے لکھا ہے:

”ہم ابوحنیفہ کے قول کا اعتبار کریں گے کیونکہ ہم حنفی ہیں نہ کہ یوسفی“ (احسن المقال ص ۵۳)
محمود حسن صاحب نے بھی لکھا ہے: ”لیکن سوائے امام اور کسی کے قول سے ہم پر
حجت قائم کرنا بعید از عقل ہے“ (ایضاح الادلہ ص ۲۷۶، دوسرا نسخہ ص ۲۸۹)

محمود حسن دیوبندی نے دوسری جگہ لکھا ہے: ”ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد
ہیں تمام حنفیہ کے مقلد نہیں“ (ایضاح الادلہ ص ۳۸۸)

ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ”ہم مسائل منصوصہ میں قال رسول اللہ کذا اور
مسائل اجتہادیہ میں قال ابوحنیفہ کذا کہتے ہیں۔“ (تجلیاتِ صفدر ج ۶ ص ۱۵۳)

آلِ دیوبند کے مذکورہ حوالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ ان کے
نزدیک صرف امام ابوحنیفہ کے ان اقوال کو جو انھوں نے اجتہاد کر کے بتائے ہیں، تسلیم کرنا
تقلیدِ شخصی ہے اور یہ ان کے نزدیک واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ کے علاوہ کسی کے اجتہاد کو تسلیم
کرنا تقلید نہیں، کیونکہ اگر امام ابوحنیفہ کے علاوہ کسی دوسرے کے اجتہاد تسلیم کرنے کو تقلید
کہیں گے تو اجماع کے منکر بن جائیں گے اور اجماع کے متعلق ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا
ہے: ”اجماع امت کا مخالف نہ صرف کتاب و سنت و زنی ہے“ (تجلیاتِ صفدر ج ۱ ص ۲۸۷)

ماسٹر امین اوکاڑوی نے مزید لکھا ہے: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجماعی فیصلوں
سے انحراف کرنے والے کو شیطان اور دوزخی قرار دیا ہے (مشکوٰۃ)“ (تجلیاتِ صفدر ج ۶ ص ۱۸۹)
جبکہ اجتہادات تو آلِ دیوبند کے علماء نے بھی کئے ہیں۔

چنانچہ اشرف علی تھانوی دیوبندی نے لکھا ہے: ”اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ چار سو برس کے بعد کسی کو اجتہاد کے قابل دماغ نہیں ملا۔ کیونکہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ علاوہ ازیں یہ مطلقاً صحیح بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر زمانہ میں ہزاروں ایسی جزئیات نئی نئی پیش آتی ہیں جن کا کوئی حکم آئمہ مجتہدین سے منقول نہیں اور علماء خود اجتہاد کر کے ان کا جواب بتلاتے ہیں۔ پس اگر اجتہاد کا باب بالکل بند ہو گیا اور اب کسی کا دماغ اجتہاد کے قابل نہیں ہو سکتا تو کیا ایسے نئے نئے مسائل کا جواب شریعت سے نہیں ملیگا۔ یا ان مسائل کے جواب کے لئے کوئی نیا نبی آسمان سے اترے گا۔ اگر یہی بات ہے تو خدا خیر کرے کہیں ق، د، ن والے نہ سن لیں کہیں یہ بات ان کے کانوں میں پڑ گئی تو مسیح موعود کے دلائل نبوت کی فہرست میں ایک اور دلیل کا اضافہ کر لیں گے۔ پھر اس آیت کے کیا معنی ہونگے الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی تکمیل ہو چکی کہ دروازہ اجتہاد اگر بالکل بند کر دیا جائے تو پھر شریعت کی تکمیل کس طرح مانی جائیگی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ ان کا جواب کتب فقہ میں مذکور نہیں نہ آئمہ مجتہدین سے کہیں منقول ہے

نئے مسائل کے جوابات | پچھلے دنوں میں ایک سوال آیا تھا کہ ہوائی جہاز میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اب بتلائیے کہ اگر اجتہاد بعد چار سو برس کے بالکل جائز نہیں تو اس مسئلہ کا شریعت میں کوئی بھی جواب نہیں۔ پہلے زمانہ میں ہوائی جہاز نہ تھا نہ فقہاء اس کو جانتے تھے۔ نہ کوئی حکم لکھا۔ اب ہم لوگ خود اجتہاد کرتے ہیں۔ اور ایسے نئے مسائل کا جواب دیتے ہیں...“ (اشرف الجواب ص ۲۸۰-۲۸۱، دوسرا نسخہ ص ۲۷۵-۲۷۶ فقرہ نمبر ۹۷)

محمد یوسف لدھیانوی نے شعرانی کے حوالے سے لکھا ہے:
”بہت سے مسائل ایسے ملیں گے اور ہیں جن کا ذکر موجودہ فقہ حنفی کے عظیم الشان ذخیرہ میں نہیں ملتا“ (قافلہ... جلد نمبر ۴ شمارہ ۳ ص ۱۳)

سرفراز صفدر نے بھی لکھا ہے: ”اس کے علاوہ کہیں کہیں میرے اپنے استنباطات اور اجتہادات بھی ہونگے۔“ (احسن الکلام ص ۶۳۱، دوسرا نسخہ ص ۴۱۱)

اب ظاہر ہے دیوبندی اپنے ان علماء کے اجتہاد کو تسلیم کرنے سے ان کے مقلد تو نہیں بن جائیں گے، کیونکہ ان کے نزدیک چار ائمہ کے سوا کسی کی بھی تقلید اجماع کی مخالفت ہے۔ اسی طرح اگر اہل حدیث علماء اجتہاد کریں اور عوام اہل حدیث ان کو تسلیم کر لیں تو یہ بھی کوئی تقلید نہیں ہوگی اور علماء اہل حدیث کا اجتہاد کرنا کوئی عجیب و غریب بات نہیں، کیونکہ علمائے دیوبند بھی تو اجتہاد کرتے ہیں جیسا کہ اشرف علی تھانوی اور سرفراز صفدر وغیرہما کے حوالے نقل کئے جا چکے ہیں اور بات علمائے دیوبند کے اجتہاد کی چلی ہے تو یہاں ایک دیوبندی لطیفہ بھی سنتے جائیے۔ عبدالرشید ارشد دیوبندی نے انور شاہ کشمیری دیوبندی کے متعلق لکھا ہے: ”اس سلسلہ میں ایک لطیفہ یاد آیا جو اس مقام کے مناسب حال ہے اور وہ یہ کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار ایک مناظرہ میں جو حضرت ممدوح اور ایک اہل حدیث کے مابین ہوا۔ اہل حدیث عالم نے پوچھا۔ کیا آپ ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں؟ فرمایا نہیں۔ میں خود مجتہد ہوں اور اپنی تحقیق پر عمل کرتا ہوں“ (بیس بڑے مسلمان ص ۳۸۳)

تنبیہ: بعض اوقات آل دیوبند ہر ایک کو اجتہاد کرنے کا کہتے ہیں، چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہوا ہے: ”پھر اگر مصلیٰ پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور حال یہ کہ کوئی موجود بھی نہیں جس سے قبلہ کا رخ پوچھتے تو اجتہاد کرے“ (ہدایہ مع اشرف الہدایہ ۳۹۶/ ترجمہ جیل احمد دیوبندی)

آل دیوبند کے نزدیک قرآن، حدیث اور اجماع کو ماننا تقلید نہیں، جیسا کہ شروع میں اوکاڑوی کی عبارت سے واضح کیا جا چکا ہے۔ آل دیوبند کے امام سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ”اصول دین۔ عقائد اور منصوص احکام میں نہ تو اجتہاد جائز ہے اور نہ صرف تقلید آئمہ کرامؒ پر اکتفاء درست ہے تقلید صرف ان مسائل میں جائز ہے جن پر نصوص قرآن کریم، حدیث شریف اور اقوال حضرات صحابہ کرامؓ سے صراحتاً روشنی نہ پڑتی ہو ایسے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت بھی پیش آئے گی اور مجتہد کے اس اجتہاد کو تسلیم کرنا امر مطلوب ہے...“

(الکلام المفید ص ۱۷۲)

سرفراز صفدر نے مزید لکھا ہے: ”بفضلہ تعالیٰ یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ عقائد اور

اصول دین میں تقلید جائز اور درست نہیں ہے اور نہ ہی نصوص قرآن کریم اور صریح و صحیح احادیث اور اجماع امت کے خلاف مسائل میں تقلید جائز ہے تقلید تو ان پیش آمدہ مسائل میں جائز ہے جو نہ تو قرآن کریم سے صراحۃً ثابت ہوں اور نہ احادیث صحیحہ صریحہ سے اور نہ اقوال حضرات صحابہ کرامؓ سے اور حضرات مقلدین کے نزدیک جس امام کی تقلید کی جاتی ہے وہ ان کو ہرگز معصوم بھی نہیں مانتے بلکہ تمام اصول فقہ کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ یہ جملہ مذکور ہے الجہد ”مخطیٰ ویصیب“ (الکلام المفید ص ۲۳۵)

آل دیوبند کے ”شیخ الاسلام“ ابن ہمام نے لکھا ہے:
”مسئلہ: تقلید اس شخص کے قول پر بغیر دلیل کے عمل کو کہتے ہیں جس کا قول (چار) دلائل میں سے نہیں ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع کی طرف رجوع تقلید میں سے نہیں ہے۔“
(تحریر ابن ہمام فی علم الاصول ۳/۴۵۳، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۱۰)

نوٹ: عربی عبارت کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے۔
محمد تقی عثمانی دیوبندی کے بقول: ”مشہور حنفی عالم عبدالغنی نابلسی“ نے لکھا ہے:
”در اصل تقلید کی ضرورت اُن مسائل میں پڑتی ہے جن میں علماء کا اختلاف رہا ہو“
(تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۱)

نیز الیاس فیصل دیوبندی نے لکھا ہے: ”جو مسائل قرآن و سنت و اجماع سے ثابت ہیں۔
ان میں قیاس نہیں چلتا۔“ (نماز بیخبر علیہ السلام ص ۳۰)

آل دیوبند کے اصول کے مطابق اجماع کو ماننا تقلید نہیں، اس کی مزید وضاحت
ماسٹر امین اوکاڑوی کی عبارت سے پیش خدمت ہے، ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے:
”اصحاب صحاح ستہ کا محدث ہونا اجماع امت سے ثابت ہے“ (تجلیات صفحہ ۳۸۰/۳۸۱)

اب ظاہر ہے یہ محدثین تو امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے ہیں تو ثابت ہوا
کہ اجماع کو ماننا امام ابوحنیفہ کی تقلید نہیں اور اجماع کے متعلق جمیل احمد دیوبندی نے لکھا
ہے: ”یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ امت اجتماعی طور پر خطا سے معصوم

ہے یعنی پوری امت خطاء اور ضلالت پر اتفاق کر لے ایسا نہیں ہو سکتا ہے اور جب ایسا ہے تو اجماع کا ماننا اور اس کا حجت ہونا ثابت ہوگا۔“ (غیر مقلدین کیا ہیں؟ ۳۸۵/۱)

ماسٹر امین اوکاڑوی نے کہا: ”اجماع اُمت ایسی چیز ہے جس کو ہم معصوم مانتے ہیں“ (فتوحات صفدر ج ۳ ص ۲۷۳)

امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ”اجماع معصوم ہوتا ہے“ (تجلیات صفدر ۳/۲۰۲) جبکہ ائمہ مجتہدین کے اجتہاد سے متعلق سرفراز صفدر کی عبارت گزر چکی ہے کہ ان کے اجتہاد میں خطاء کا احتمال ہوتا ہے، اور تقی عثمانی صاحب نے بھی لکھا ہے: ”اور ائمہ مجتہدین کے بارے میں تمام مقلدین کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کے ہر اجتہاد میں خطاء کا احتمال ہے۔“

(تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۲۵)

اب یہ بات آل دیوبند کے اصولوں کے مطابق واضح ہو چکی ہے کہ قرآن، حدیث اور اجماع کو ماننا تقلید نہیں بلکہ تقلید صرف اور صرف امام ابوحنیفہ کے اس قول کو جس میں خطاء کا احتمال ہو، ماننے کا نام ہے۔ نیز بعض ایسے مسائل کہ جن میں آل دیوبند کے اصولوں کی روشنی میں احادیث موجود ہوں، خواہ متعارض ہی کیوں نہ ہوں، مثلاً مسئلہ رفع یدین اور قراءۃ خلف الامام، ان میں بھی تقلید نہیں کی جائے گی، کیونکہ منیر احمد منور دیوبندی نے لکھا ہے:

”وہ مسائل جن کے ادلہ متعارض ہیں جیسے رفع یدین، قراءۃ خلف الامام وغیرہ مسائل میں اثبات نفی کی حدیثیں موجود ہیں اور محدثین نے کتب حدیث میں دونوں قسم کے باب قائم کر کے دونوں طرح کی حدیثیں نقل کی ہیں“ (۱۲ مسائل ص ۸-۹)

رفع یدین کے مسئلہ کو ماسٹر امین اوکاڑوی نے بھی مسائل منصوہ متعارضہ میں شمار کیا ہے۔ دیکھئے تجلیات صفدر (۹۱/۶)

سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ”مسئلہ ترک رفع یدین میں احناف تقلید نہیں کرتے بلکہ

اس میں احادیث صحیحہ اور صریح کی پیروی کرتے ہیں“ (الکلام المفید ص ۲۱۲)

سرفراز صفدر صاحب نے مزید لکھا ہے: ”حالانکہ ترک رفع یدین بھی آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے اور مسئلہ تقلید کے سلسلہ میں احناف کے عدم رفع یدین کے فعل کو جو بالکل غیر متعلق ہے ذکر کر کے جناب میاں صاحبؒ اپنے حواریوں کو یہ باور کرانے کے درپے ہیں کہ احناف ترک رفع یدین میں تقلید کرتے ہیں اور مابعد دولت حدیث پر عامل ہیں اس سے زیادہ تعصب اور کیا ہوگا؟ یا ہو سکتا ہے؟ وثانیاً حضرت میاں صاحبؒ کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ ترک رفع یدین کے منصوص مسئلہ کو تقلید کی بحث میں مثال کے طور پر بھی نہ ذکر کرتے کیونکہ تقلید غیر منصوص مسائل میں ہوتی ہے اور یہ تو صحیح حدیث سے ثابت شدہ مسئلہ ہے“ (الکلام المفید ص ۲۱۵)

اشرف علی تھانوی نے کہا: ”باقی رفع الیدین اور آمین یہ تو غیر مقلدیت نہیں۔“

(ملفوظات ۲۶/۳۳۲)

محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی نے لکھا ہے: ”رفع یدین اور ترک رفع یدین باجماع امت دونوں جائز ہیں۔“ (اختلاف امت اور صراطِ مستقیم ج ۲ ص ۱۷)

اگرچہ ترک رفع یدین کے بارے میں لدھیانوی کی بات بالکل غلط ہے، لیکن الزامی طور پر ہم یہ کہتے ہیں کہ جب آپ کے نزدیک یہ مسئلہ اجماعی ہے تو اجماع آپ کے نزدیک معصوم ہوتا ہے اور تقلید اجتہادی مسائل میں ہوتی ہے جن میں خطا کا احتمال ہوتا ہے تو اس طرح بھی یہ ثابت ہوا کہ رفع یدین کا مسئلہ تقلید کا مسئلہ نہیں۔

مذکورہ عبارت سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ جس مسئلہ کو بعض دیوبندی علماء منصوصہ متعارضہ تسلیم کرتے ہیں اس مسئلہ میں آل دیوبند کے امام سرفراز خان صفدر نے سرے سے تقلید کا انکار کر دیا ہے اور اس مسئلہ میں تقلید کرنے والوں کو احناف سے خارج کر دیا ہے۔

الغرض جو مسئلہ ان کے نزدیک منصوصہ متعارضہ ہو وہ اس میں بھی تقلید نہیں کرتے۔

رفع یدین یا ترک رفع یدین کا مسئلہ آل دیوبند کے اصولوں کی روشنی میں تقلید کا مسئلہ نہیں، اس پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ امین اوکاڑوی دیوبندی نے لکھا ہے:

”امام بخاریؒ امام شافعیؒ کے مقلد ہیں“ (جزء القرآۃ مترجم ص ۱۷)

اور مسئلہ رفع یدین میں بقول اوکاڑوی امام بخاری رحمہ اللہ کا امام شافعی رحمہ اللہ سے اختلاف ہے۔ دیکھئے جزء رفع الیدین (مترجم ص ۲۵۱)
قارئین کرام! اس کی ایک دوسری مثال بھی ملاحظہ فرمائیں:

سرفراز صفدر دیوبندی نے اہل حدیث سے مخاطب ہو کر لکھا ہے: ”اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ جن آیات اور احادیث کو وہ قرأت خلف الامام کے سلسلہ میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں وہ نص اور قطعیت کے ساتھ ان کے نزدیک بھی اس دعویٰ پر دال نہیں ہیں ورنہ وہ اس مسئلہ کو اجتہادی مسئلہ کبھی نہ کہتے کیونکہ اجتہاد وہاں ہوتا ہے جہاں صراحت نہ ہو اور ان حضرات کا اس مسئلہ کو اجتہادی کہنا ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صریح، صحیح اور منطوق طور پر ان کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے جبھی تو یہ مسئلہ ان کے نزدیک اجتہادی ہے لہذا آیات و احادیث کو ترک کرنے کا احناف پر الزام اور طعن بالکل بے جا ہے اس لیے کہ بقول ان حضرات کے احناف نے دلائل اور احادیث کو ترک نہیں کیا۔ بلکہ ان کے اس مفہوم اور معنی کو ترک کیا ہے۔ جس کو مجوزین حضرات اپنے اجتہادی رنگ میں اپناتے ہیں اور اس کے برعکس احناف نص قطعی اور صریح صحیح احادیث سے مقتدی کا وظیفہ ترک القرأت خلف الامام بتاتے ہیں۔“ (احسن الکلام ص ۵۹۸ طبع جدید)

مذکورہ عبارت میں سرفراز صفدر صاحب نے قرأت خلف الامام کے مسئلہ کو بھی اجتہادی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور نص قطعی اور صریح صحیح احادیث پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور بڑی صراحت سے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ آل دیوبند کے نزدیک تقلید صرف امام ابوحنیفہ کے ان اقوال میں کی جاتی ہے جن کا تعلق اجتہاد سے ہو۔

محمد تقی عثمانی صاحب نے بھی لکھا ہے: ”قرآن و سنت کے قطعی احکام میں کسی امام کی تقلید ضروری نہیں سمجھی گئی“ (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۳)

مسئلہ قرأت خلف الامام آل دیوبند کے اصولوں کی روشنی میں تقلید کا مسئلہ نہیں، اس پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اوکاڑوی کے بقول امام بخاری رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ کے

مقلد ہیں۔ (جزء القراءة مترجم ص ۱۷)

اور مسئلہ قراءت خلف الامام میں بقول اوکاڑوی امام بخاری رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے اختلاف کیا ہے۔ دیکھئے جزء القراءة (مترجم ص ۲۵)

قارئین کرام! یہ بات بھی آپ کو بتانا ضروری ہے کہ آل دیوبند کے اصولوں کے مطابق کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی معتبر کیوں نہ ہو اس کی وہ بات جو بسند صحیح ثابت نہ ہو تسلیم نہیں کی جائے گی، مثال کے طور پر اگر امام بخاری رحمہ اللہ جیسے محدث کہ جن کے متعلق آل دیوبند کے ”حکیم الاسلام“ قاری محمد طیب نے لکھا ہے: ”بہر حال امام بخاریؒ کا حافظہ، ان کا اتقان اور ان کا زہد و تقویٰ یہ گو اظہر من الشمس ہے۔ ساری دنیا اس کو جانتی ہے۔“

(خطبات حکیم الاسلام ۶/۷۷)

اگر امام بخاری رحمہ اللہ بھی کسی تابعی کا قول بغیر سند کے نقل کریں تو سرفراز صفدر صاحب اسے یوں ٹھکراتے ہیں: ”امام بخاریؒ نے اپنے استدلال میں ان کے اثر کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی۔“ (حسن الکلام ۱/۳۲۷، دوسرا نسخہ ۴۰۳/۱) نیز دیکھئے حسن الکلام (۲/۱۲۹، دوسرا نسخہ ۱۶۳/۲)

فقیر اللہ دیوبندی نے لکھا ہے:

”اور کوئی بے سند بات قبول کرنے کے قابل نہیں ہوتی“ (خاتمہ الکلام ص ۱۵۸)

اسی طرح اگر حسن بصری رحمہ اللہ جیسے تابعی کسی ایسے صحابی رضی اللہ عنہ کا قول بیان کریں جن سے ان کی ملاقات ثابت نہ ہو تو سرفراز صفدر اور ان کے اکابر اسے تسلیم نہیں کرتے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے از الہ الریب (ص ۲۳۷) نصب الراية (۱۲۶/۲) البحر الرائق (۲/۴۰۲) مستملی (ص ۴۱۶) بذل المجہود (۳۲۹/۲) اور الحدیث حضرت نمبر ۷۶ (ص ۴۶-۴۷)

قارئین کرام! بدرالدین عینی احناف کے بہت بڑے امام ہیں۔ سرفراز صاحب نے ان کو ”بلند پایہ حنفی فقیہ، محدث اور شیخ الاسلام“ جیسے القاب سے نوازا ہے۔

دیکھئے از الہ الریب (ص ۴۰۸)

اسی بدرالدین عینی نے اپنی کتاب عمدۃ القاری (۱۱/۲۶۱ ح ۲۰۱۰) میں لکھا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے لئے گیارہ رکعات تراویح کو اختیار کیا، تو ماسٹر امین اوکاڑوی نے اس قول کو اور ایک دوسرے قول کو یعنی دونوں کو یہ کہہ کر رد کر دیا:

”یہ دونوں قول بالکل بے سند ہیں۔“ (تجلیات صفحہ ۳۹/۳۲۹)

اب میرا آل دیوبند سے یہ سوال ہے کہ کوئی ایک ایسا مسئلہ جس میں امام بخاری نے امام شافعی کی تقلید کی ہو اور آل دیوبند نے امام ابو حنیفہ کی تقلید کی ہو اور وہ مسئلہ نہ قرآن میں ہو، نہ حدیث میں ہو اور نہ اس پر اجماع ہو، امام ابو حنیفہ کا صحیح سند کے ساتھ ایسا قول ہو جس کا تعلق اجتہاد سے ہو اور آل دیوبند کا اس قول کے متعلق یہ اقرار ہو کہ اس قول میں خطا کا احتمال موجود ہے۔ آل دیوبند کا اس قول پر عمل ہو اور اہل حدیث نے اس قول کا انکار کیا ہو، پیش فرمائیں، تاکہ بتا تو چلے کہ کس مسئلے کا نام انھوں نے تقلید شخصی رکھا ہوا ہے۔!!

میں نے صرف ایک مسئلے کا مطالبہ کیا ہے، جبکہ سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ”جن مسائل میں مقلدین نے تقلید کی ہے وہ بے شمار مسائل ہیں“ (الکلام المفید ص ۱۸۱)

امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ”اجتہادی مسائل کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار ہے“

(تجلیات صفحہ ۵/۱۷۱)

البتہ اہل حدیث جس تقلید کی مذمت کرتے ہیں اس کی دس مثالیں درج ذیل ہیں:

۱: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((إن المتبايعين بالخيار في بيعهما ما لم يتفرقا أو يكون البيع خياراً))

دکاندار اور گاہک کو اپنے سودے میں (واپسی کا) اختیار ہوتا ہے، جب تک دونوں (بملاحظہ جسم) جدا نہ ہو جائیں یا (ایک دوسرے کو) اختیار (دینے) والا سودا ہو۔ (نافع کہتے ہیں کہ) ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کوئی پسندیدہ چیز خریدنا چاہتے تو اپنے (بیچنے والے) ساتھی سے (بملاحظہ جسم) جدا ہو جاتے تھے۔ (صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب کم یجوز الخیار ح ۲۱۰ صحیح مسلم: ۱۵۳۱)

حنفی حضرات یہ مسئلہ نہیں مانتے، جبکہ امام شافعی و محدثین کرام ان صحیح احادیث کی وجہ

سے اسی مسئلہ کے قائل و فاعل ہیں۔
محمود حسن دیوبندی نے کہا:

”يترجح مذهبه وقال: الحق والإنصاف أن الترجيح للشافعي في هذه المسئلة ونحن مقلدون يجب علينا تقليد إمامنا أبي حنيفة والله أعلم“
یعنی: اس (امام شافعی) کا مذہب رائج ہے۔ اور (محمود حسن نے) کہا: حق و انصاف یہ ہے کہ اس مسئلے میں (امام) شافعی کو ترجیح حاصل ہے اور ہم مقلد ہیں ہم پر ہمارے امام ابو حنیفہ کی تقلید واجب ہے، واللہ اعلم (تقریر ترمذی ص ۳۶، نسخہ آخری ص ۳۹)
غور کریں! کس طرح حق و انصاف چھوڑ کر اپنے مزعوم امام کی تقلید کو سینے سے لگا لیا گیا ہے، یہی محمود حسن صاحب صاف صاف اعلان کرتے ہیں:
”لیکن سوائے امام اور کسی کے قول سے ہم پر حجت قائم کرنا بعید از عقل ہے“

(ایضاح الادلہ ص ۲۷۶ سطر ۱۹ مطبوعہ: مطبع قاسمی مدرسہ اسلامیہ دیوبند ۱۳۳۵ھ، دوسرا نسخہ ص ۲۸۹)
آل دیوبند کی مستند کتاب ”بیس بڑے مسلمان“ کے صفحہ ۲۹۸ پر محمود حسن کی کتابوں میں تیسرے نمبر کے تحت لکھا ہوا ہے: ”نمبر ۳ تقریر ترمذی بزبان عربی: یہ تقریر ترمذی شریف کے حاشیہ پر چھپ چکی ہے اور مقبول خاص و عام ہے۔“
اس تقریر کے مرتب کے متعلق سرفراز صفدر صاحب نے لکھا ہے: ”ترمذی کی تقریر کے مرتب حضرت مولانا نظام الدین صاحب کیرانویؒ ہیں“ (الکلام المفید ص ۲۸۱)
۲: ایک حدیث جس کے مطابق ایسے مقتدی کہ جن کا امام نفل پڑھ رہا ہو اور مقتدی اس کے پیچھے فرض نماز پڑھیں تو مقتدیوں کی نماز بالکل صحیح ہو جائے گی، حنفیوں کے امام ملا علی قاری سے جب اس کا کوئی مناسب جواب نہ بن سکا تو عاجز آ کر لکھ دیا: ”وعلی قواعد مذهبنا مشکل جداً“، یعنی ہمارے مذہب کے اصول پر یہ حدیث بہت مشکل ہے۔

(مرقاۃ ۲۸۲/۳، دوسرا نسخہ ۵۲۶/۳)

۳: نبی اکرم ﷺ کے دور میں ایک عورت آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتی تھی تو

اس کے شوہر نے اس عورت کو قتل کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”ألا أشهدوا أن دمها هدر“ سن لو! گواہ ہو کہ اس عورت کا خون رائیگاں ہے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب الحكم بین سب رسول اللہ ﷺ ح ۴۳۶۱ وسندہ صحیح)

اس حدیث اور دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کی گستاخی کرنے والا واجب القتل ہے۔ یہی مسلک امام شافعی اور محدثین کرام کا ہے، جبکہ حنفیوں کے نزدیک شاتم الرسول کا ذمہ باقی رہتا ہے۔ دیکھئے الہدایہ (ج ۱ ص ۵۹۸)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”و أما أبو حنيفة وأصحابه فقالوا: لا ينتقض العهد بالسب ولا يقتل الذمي بذلك لكن يعزّر على إظهار ذلك ... إلخ

ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب (شاگردوں و متبعین) نے کہا: (آپ ﷺ کو) گالی دینے سے معاہدہ (ذمہ) نہیں ٹوٹتا اور ذمی کو اس وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر وہ یہ حرکت علانیہ کرے تو اسے تعزیر لگے گی... إلخ (الصارم المسلول بحوالہ رد المحتار علی الدر المختار ج ۳ ص ۳۰۵)

اس نازک مسئلے پر ابن نجیم حنفی نے لکھا ہے: ”نعم نفس المؤمن تميل إلى قول المخالف في مسألة السب لكن اتباعنا للمذهب واجب“ جی ہاں، گالی کے مسئلے میں مومن کا دل (ہمارے) مخالف کے قول کی طرف مائل ہے، لیکن ہمارے لئے ہمارے مذہب کی اتباع (تقلید) واجب ہے۔ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ۵ ص ۱۱۵)

۴: حسین احمد مدنی ٹانڈوی لکھتے ہیں:

”ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ تین عالم (حنفی، شافعی اور حنبلی) مل کر ایک مالکی کے پاس گئے اور پوچھا کہ تم ارسال کیوں کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ: میں امام مالک کا مقلد ہوں دلیل ان سے جا کر پوچھو اگر مجھے دلائل معلوم ہوتے تو تقلید کیوں کرتا؟ تو وہ لوگ ساکت ہو گئے“ (تقریر ترمذی اردو ص ۳۹۹ مطبوعہ: کتاب خانہ مجیدیہ ملتان)

ارسال: ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا ساکت: خاموش

اب دیکھئے وہ لوگ ساکت کیوں ہو گئے تھے؟ کیا ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کی کوئی صحیح حدیث موجود نہیں؟ یقیناً موجود ہے، لیکن انھیں پتا تھا کہ اگر اس مقلد کو حدیث منوائی تو خود بھی دوسری احادیث ماننا پڑیں گی۔

۵: صحیح حدیث میں آیا ہے: ((من أدرك من الصبح ركعة قبل أن تطلع الشمس فقد أدرك الصبح)) جس نے صبح کی ایک رکعت، سورج طلوع ہونے سے پہلے پالی تو اس نے یقیناً صبح (کی نماز) پالی۔ (بخاری: ۵۷۹، مسلم: ۶۰۸)

فقہ حنفی اس صحیح حدیث کی مخالف ہے۔ ”مفتی“ رشید احمد لدھیانوی دیوبندی نے اس مسئلے پر کچھ بحث کر کے لکھا ہے: ”غرضیکہ یہ مسئلہ اب تک تشنہ تحقیق ہے۔ معہذا ہمارا فتویٰ اور عمل قولِ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق ہی رہے گا اس لئے کہ ہم امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلد ہیں اور مقلد کے لئے قولِ امام حجت ہوتا ہے نہ کہ ادلہ اربعہ کہ ان سے استدلال وظیفہ مجتہد ہے۔“ (ارشاد القاری الی صحیح البخاری ص ۴۱۲)

اسی حدیث پر بحث کرتے ہوئے تقی عثمانی نے کہا ہے: ”حدیث باب حنفیہ کے بالکل خلاف ہے، مختلف مشائخ حنفیہ نے اس کا جواب دینے میں بڑا زور لگایا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی شافی جواب نہیں دیا جاسکا، یہی وجہ ہے کہ حنفیہ کے مسلک پر اس حدیث کو مشکلات میں شمار کیا گیا ہے“ (درس ترمذی ۴۳۴)

اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے تقی عثمانی صاحب نے مزید کہا ہے: ”اور اس معاملہ میں تفریق بین الفجر والعصر کے بارے میں حنفیہ کے پاس کوئی نص صریح نہیں، صرف قیاس ہے، اور وہ بھی مضبوط نہیں“ (درس ترمذی ۴۳۹/۱)

۶: صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اگر جنازہ مرد کا ہو تو امام میت کے سر کے سامنے کھڑا ہو اور اگر جنازہ عورت کا ہو تو امام، میت کے وسط یعنی درمیان میں کھڑا ہو۔ دیکھئے اشرف الہدایہ (۴۲۹/۲)

لیکن قیاس کی وجہ سے حدیث کی ایسی تاویل کر کے کہ جو تاویل خود جمیل احمد

سکروڈھوی (مدرس دارالعلوم دیوبند) کے نزدیک معتبر تاویل نہیں، یہ فتویٰ دیا گیا کہ جنازہ خواہ مرد کا ہو یا عورت کا امام اس کے سینے کے مقابل کھڑا ہو۔

تفصیل کے لئے دیکھئے اشرف الہدایہ (۲/۴۲۸-۴۲۹)

اور مزید ستم یہ کہ محمد بن ”مفتی“ محمد ابراہیم صادق آبادی دیوبندی نے اسی قیاسی اور بے دلیل فتوے کو سنت کا نام دے رکھا ہے۔ دیکھئے گلدستہ سنت (ص ۵۹)

۷: صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے درندے کی کھال بچھا کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (دیکھئے نماز بغیر ﷺ از محمد الیاس فیصل دیوبندی ص ۲۱۶)

نوٹ: یہ کتاب محمد ادریس انصاری دیوبندی کی پسند فرمودہ ہے۔ دیکھئے (ص ۲۲) جبکہ سید مشتاق علی شاہ دیوبندی کی مرتب کردہ کتاب میں کتے کی کھال کے متعلق لکھا ہوا ہے: ”میں کہتا ہوں کہ دباغت کے بعد جب (کتے کی) کھال پاک ہو جاتی ہے تو اس سے جانماز یا ڈول بنانے میں کیا مضائقہ ہے؟“ (فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات ص ۳۰۵)

۸: نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سجدہ سہو اس طرح کیا کہ جب نماز پوری کر لی اور صرف سلام باقی رہ گیا تو دو سجدے سہو کے کئے اور پھر سلام پھیرا۔

دیکھئے صحیح بخاری مع تفہیم البخاری (۱/۵۷۸، ۵۷۹) کتاب السہو

لیکن آل دیوبند کے نزدیک سجدہ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ تشہد پڑھنے کے بعد ایک طرف سلام پھیرا جائے، پھر دو سجدے کئے جائیں۔ اس کے بعد تشہد اور آگے کا درود اور دعا پڑھی جائے، پھر سلام پھیرا جائے۔

دیکھئے تفہیم البخاری (۱/۵۷۸) اور بہشتی زیور (حصہ دوم ص ۳۳)

۹: سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”بے شک رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا ہے“ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۸ کتاب البیوع صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹)

لیکن اس کے برعکس فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہوا ہے کہ ”إذا ذبح كلبه و باع لحمه جاز.“ جب اپنا کتا ذبح کرے اور اس کا گوشت بیچے جائز ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۱۱۵، اور فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات ص ۳۷۲)

۱۰: فقہ حنفی کے اصول کی انتہائی معتبر کتابوں میں لکھا ہوا ہے:

”مصراۃ والی حدیث صرف حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ چونکہ غیر فقیہ ہیں اس لیے ان کی یہ روایت قیاس کے خلاف ہونے کی وجہ سے متروک ہے“
دیکھئے خزائن السنن جلد دوم (ص ۱۰۷، از عبد القدوس قارن دیوبندی) نور الانوار (ص ۱۸۳)
اور اصول شاشی (ص ۷۵)

تنبیہ: بعض دیوبندیوں نے اس بیہودہ اصول کو رد بھی کیا ہوا ہے۔

دیکھئے خزائن السنن (جلد دوم ص ۱۰۷، تالیف عبد القدوس قارن دیوبندی)

اور اسی بیہودہ قسم کی تقلید کی اہل حدیث مذمت کرتے ہیں تو انھیں غیر مقلدین کہہ کر طعنہ دیا جاتا ہے، جبکہ خود سرفراز صفدر نے لکھا ہے:

”ان آیات کریمات میں جس تقلید کی تردید کی گئی ہے وہ ایسی تقلید ہے جو اللہ تعالیٰ اور جناب رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مقابل ہو ایسی تقلید کے حرام شرک، مذموم اور فبیح ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور اہل اسلام اور اہل علم میں کون ایسی تقلید کو جائز قرار دیتا ہے؟ اور ایسے مقلدوں کو کون مسلمان کہتا اور حق پر سمجھتا ہے“ (الکلام المفید ص ۲۹۸)

سرفراز صفدر صاحب نے مزید لکھا ہے: ”کوئی بد بخت اور ضدی مقلد دل میں یہ ٹھان لے کہ میرے امام کے قول کے خلاف اگر قرآن و حدیث سے بھی کوئی دلیل قائم ہو جائے تو میں اپنے مذہب کو نہیں چھوڑوں گا تو وہ مشرک ہے ہم کہتے ہیں کہ لا شک فیہ لیکن ہوش و حواس صحیح رکھتے ہوئے کون نامراد قصداً و عملاً ایسا کرتا ہے یا کرے گا؟“

(الکلام المفید ص ۳۱۰)

قارئین کرام! ایسی کئی مثالیں اوپر بیان کی جا چکی ہیں کہ اعتراف کے باوجود حق کو ٹھکرایا گیا ہے اور نور الانوار اور اصول شاشی کے حوالے سے نقل کیا جا چکا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بعض حنفیوں نے محض قیاس کی وجہ سے انھیں غیر فقیہ کہہ کر رد کر دیا ہے اور ان حنفیوں

کی اس حرکت کو بعض آل دیوبند نے بھی غلط سمجھتے ہوئے رد کر دیا ہے۔ اس کے باوجود یہ کہنا کہ کون ایسی تقلید کرتا ہے؟ بڑا عجیب و غریب ہے۔ اشرف علی تھانوی کے بقول یہ گندی روش اکثر مقلدین میں پائی جاتی ہے، چنانچہ تھانوی صاحب نے کہا:

”اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے ان کے قلب میں انشراح و انبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلے میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرت مذہب کے لئے تاویل ضروری سمجھتے ہیں دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیحہ صریحہ پر عمل کر لیں بعض سنن مختلف فیہا مثلاً آئین بالجہر وغیرہ پر حرب و ضرب کی نوبت آ جاتی ہے اور قرون ثلاثہ میں اس کا شیوع بھی نہ ہوا تھا بلکہ کیفما اتفق جس سے چاہا مسئلہ دریافت کر لیا اگرچہ اس امر پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر مذہب خامس مستحدث کرنا جائز نہیں یعنی جو مسئلہ چاروں مذاہبوں کے خلاف ہو اس پر عمل جائز نہیں کہ حق دائر و منحصر ان چار میں ہے مگر اس پر بھی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اہل ظاہر ہر زمانہ میں رہے اور یہ بھی نہیں کہ سب اہل ہوی ہوں وہ اس اتفاق سے علحدہ رہے دوسرے اگر اجماع ثابت بھی ہو جاوے مگر تقلید شخصی پر تو کبھی اجماع بھی نہیں ہوا۔“ (تذکرۃ الرشید ۱۳۱/۱)

اور ایسے مقلدین کے متعلق خود حنفیوں کے علامہ صدر الدین علی بن علی بن ابی العز الحنفی نے لکھا ہے: ”فإنه متى اعتقد أنه يجب على الناس اتباع واحد بعينه من هذه الأئمة رضي الله عنهم أجمعين دون الآخرين فقد جعله بمنزلة النبي ﷺ، و ذلك كفر.“ پس جب وہ یہ عقیدہ رکھے کہ لوگوں پر ان اماموں میں سے ایک امام کی اتباع واجب ہے، اللہ ان سب سے راضی ہو، تو اس شخص نے اُس امام کو نبی کے قائم مقام بنا دیا ہے اور یہ کفر ہے۔ (التنبیہ علی مشکلات الهدایۃ ۵۴۲/۲)

تقلید شخصی کے علاوہ تقلید کا لفظ بعض علماء مختلف معنوں میں بھی استعمال کرتے ہیں، مثلاً امام شافعی اور علامہ طحاوی کے نزدیک حدیث رسول ﷺ کو تسلیم کرنا تقلید کہلاتا ہے۔ ابو جعفر الطحاوی، حدیث ماننے کو تقلید کہتے ہیں، مثلاً وہ فرماتے ہیں: ”فذهب قوم إلى هذا الحديث فقلدوه“ پس ایک قوم اس (مرفوع) حدیث کی طرف گئی ہے، پس انھوں نے اس (حدیث) کی تقلید کی ہے۔ (شرح معانی الآثار ۴/۳ کتاب البیوع باب بیع الشیر بالخط متفاضلاً) گزشتہ صفحات پر حنفیوں و مالکیوں و شافعیوں و حنبلیوں کی کتابوں سے مفصل نقل کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ کی بات (یعنی حدیث) ماننا تقلید نہیں ہے۔ لہذا علامہ طحاوی کا حدیث پر تقلید کا لفظ استعمال کرنا غلط ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ وہ حدیثیں مانتے تھے تو کیا اب یہ کہنا صحیح ہوگا کہ امام ابو حنیفہ مجتہد نہیں بلکہ مقلد تھے؟ جب وہ حدیثیں مان کر مقلد نہیں بنے تو دوسرا آدمی حدیث مان کر کس طرح مقلد ہو سکتا ہے؟ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ولا يقلد أحد دون رسول الله ﷺ“ اور رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کی تقلید نہیں کرنی چاہئے۔

(مختصر المرنی، باب القضاء بحوالہ الرد علی من اغلدا لی الارض للسیوطی ص ۱۳۸)

یہاں پر تقلید کا لفظ بطور مجاز استعمال کیا گیا ہے۔ امام شافعی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی شخص کی بات بلا دلیل قبول نہیں کرنی چاہئے۔

حافظ خطیب بغدادی اور حافظ ابن عبد البر کے نزدیک عامی کا مفتی سے سوال کرنا تقلید کہلاتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے دین میں تقلید کا مسئلہ (ص ۴۴)

تو عرض ہے کہ آل دیوبند کے نزدیک بھی یہ دونوں قسم کے اقوال تقلید نہیں کہلاتے، کیونکہ تمام ائمہ مجتہدین بھی حدیث کو مانتے تھے اور آل دیوبند کا اعلان ہے کہ مجتہد مقلد نہیں ہوتا بلکہ تقلید تو جاہل کے لئے ہوتی ہے۔

سرفراز صدر صاحب نے لکھا ہے: ”اور تقلید جاہل ہی کیلئے ہے“ (الکلام المفید ص ۲۳۴) امین اوکاڑوی دیوبندی نے لکھا ہے: ”جو شخص خود اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہے، اس پر

اجتہاد واجب، تقلید حرام ہے“ (تجلیات صفحہ ۳/۴۰۷)

اور اسی طرح عامی کا مفتی سے سوال کرنا بھی تقلید نہیں کہلاتا، ورنہ پھر تمام دیوبندی اپنے علماء کے مقلد بن جائیں گے، جبکہ آل دیوبند کا اعلان ہے کہ چارائمہ کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں بلکہ اجماع کی مخالفت ہے، لہذا ثابت ہوا کہ مذکورہ علماء کا تقلید کے لفظ کو استعمال کرنا مجازی طور پر ہے، اور اسی طرح اگر کوئی مفتی اپنے اجتہاد سے کوئی مسئلہ بتائے، جیسا کہ تھانوی صاحب بتایا کرتے تھے تو اسے تسلیم کرنا بھی تقلید نہیں اور آل دیوبند کی انتہائی معتبر کتاب فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہوا ہے:

”أجمع الفقهاء على أن المفتي يجب أن يكون من أهل الاجتهاد“

یعنی فقہاء کا اجماع ہے کہ مفتی کا اہل اجتہاد میں سے ہونا واجب ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد ۳ باب ۸ ص ۳۰۸)

تنبیہ: دین میں تقلید کے مسئلہ کی حقیقت کو جاننے کے لئے حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی کتاب: ”دین میں تقلید کا مسئلہ“ اور شمارہ الحدیث نمبر ۵۷-۷۶ میں تقلید کے متعلق شائع ہونے والے مضمون کا مطالعہ انتہائی مفید ہے۔

آل دیوبند کی کئی عبارتوں سے واضح کیا گیا ہے کہ تقلید شخصی خاص امام ابوحنیفہ کی رائے کو اپنے اوپر نافذ کرنے کا نام ہے، جبکہ خود الیاس گھسن کے رسالہ قافلہ... میں ایک حدیث لکھی ہوئی ہے جس سے ان کے اس دعویٰ کی تردید ہوتی ہے، چنانچہ آل دیوبند کے ”شہید اور مفتی“ محمد یوسف نے لکھا ہے: ”حضرت رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے..... جس سے اس مشکلات کے حل کرنے میں پوری رہنمائی ملتی ہے:

عن علي قال قلت يا رسول الله ﷺ! ان نزل بنا امر ليس فيه بيان امر ولا نهى فما تامرني قال شاوروا فيه الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه راى خاصة. رواه الطبراني فى الاوسط ورجاله موثقون من اهل الصحيح. ①

ترجمہ: ”حضرت علیؓ ارشاد فرماتے ہیں: ”میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اگر کوئی

ایسا مسئلہ پیش آئے جس میں آپ کا کوئی بیان کرنے یا نہ کرنے کا نہ ملتا ہو تو آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا کیا جائے؟“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”فقہاء و عابدین سے مشورہ کر کے فیصلہ کیا کریں شخصی رائے کو دخل نہ دیں۔“ (۱) مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۸

اس حدیث کریم سے جہاں اجتماعی شورائی فیصلوں کی نہ صرف اہمیت بلکہ فرضیت ثابت ہوئی ساتھ ساتھ اس جماعت کی اہلیت کے شرائط بھی معلوم ہو گئے:

۱:..... ایسے اہل علم ہوں کہ تفقہ فی الدین ان کو حاصل ہو۔

۲:..... صالح و متقی اور عبادت گزار ہوں “ (قافلہ... جلد نمبر ۴ شمارہ ۳ ص ۱۱)

اس حدیث میں شخصی رائے کو اختیار کرنے سے منع کر کے مشورے کا حکم دیا گیا ہے اور مشورہ لینا کوئی تقلید نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ کے تحت مشورہ لینے کا حکم دیا ہے تو کیا نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو تقلید کا حکم دیا تھا؟ جبکہ تھانوی صاحب نے کہا:

”پس شاورہم فی الامر سے صرف یہ ثابت ہوا کہ حکام رعایا سے مشورہ کر لیا کریں یہ کہاں ثابت ہوا کہ ان کے مشورہ پر عمل بھی ضرور کیا کریں“ (اشرف الجواب ص ۳۱۶، دوسرا نسخہ ص ۳۰۹)

تھانوی صاحب نے مزید کہا: ”اور ہمارے پاس حدیث بریرہؓ سے دلیل موجود ہے کہ کسی کے مشورہ پر عمل کرنا ضروری نہیں خواہ نبی ہی کا مشورہ کیوں نہ ہو“

(اشرف الجواب ص ۱۶، دوسرا نسخہ ص ۳۰۹)

تنبیہ ضروری: تقلید کے بارے میں آل دیوبند کے علماء کا سخت اختلاف ہے، بعض کے نزدیک امام ابو حنیفہ کی تقلید واجب ہے اور تارکِ تقلید کا اسلام محفوظ نہیں رہ سکتا، جیسا کہ شروع میں سرفراز صفر کا قول نقل کیا جا چکا ہے، جبکہ دوسری طرف ان کے ”حکیم الامت“ تھانوی نے کہا: ”ترکِ تقلید پر مواخذہ توقیامت میں نہ ہوگا۔“ (ملفوظات ج ۲۶ ص ۴۴۷)

دوسری جگہ فرمایا: ”ترکِ تقلید پر قیامت میں مواخذہ ہوگا تو نہ کیونکہ کسی قطعی کی مخالفت نہیں“ (ملفوظات ج ۲۶ ص ۹۵)

حافظ زبیر علی زئی

مسجد میں ذکر بالجہر اور حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ

امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن بن الفضل بن بہرام الدارمی رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۵ھ) نے فرمایا: ”أخبرنا الحكم بن المبارك: أنبأنا عمرو بن يحيى قال: سمعت أبي يحدث عن أبيه قال: كُنَّا نَجْلِسُ عَلَى بَابِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - قَبْلَ صَلَاةِ الْعُدَاةِ ، فَإِذَا خَرَجَ ، مَشِينَا مَعَهُ إِلَى الْمَسْجِدِ ، فَجَاءَنَا أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - فَقَالَ : أَخْرَجَ إِلَيْكُمْ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ ؟ قُلْنَا : لَا ، بَعْدُ . فَجَلَسَ مَعَنَا حَتَّى خَرَجَ ، فَلَمَّا خَرَجَ ، قُمْنَا إِلَيْهِ جَمِيعًا ، فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى : يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، إِنِّي رَأَيْتُ فِي الْمَسْجِدِ إِنْفَاءً أَمْرًا أَنْكَرْتُهُ وَلَمْ أَرَ - وَالْحَمْدُ لِلَّهِ - إِلَّا خَيْرًا . قَالَ : فَمَا هُوَ ؟ فَقَالَ : إِنِّي عِشْتُ فَسْتَرَاهُ .“

قَالَ : رَأَيْتُ فِي الْمَسْجِدِ قَوْمًا حَلَقًا جُلُوسًا يَنْتَظِرُونَ الصَّلَاةَ فِي كُلِّ حَلَقَةٍ رَجُلٌ ، وَفِي أَيْدِيهِمْ حَصَا ، يَقُولُ : كَبُرُوا مِئَةً ، فَيَكْبُرُونَ مِئَةً ، يَقُولُ : هَلَّلُوا مِئَةً ، فَيَهْلِلُونَ مِئَةً ، وَيَقُولُ : سَبَّحُوا مِئَةً ، فَيَسْبِّحُونَ مِئَةً . قَالَ : فَمَاذَا قُلْتُمْ لَهُمْ ؟ قَالَ : مَا قُلْتُ لَهُمْ شَيْئًا أَنْتَظَرُ رَأْيَكَ أَوْ أَنْتَظَرُ أَمْرِكَ . قَالَ : أَفَلَا أَمَرْتَهُمْ أَنْ يَعْدُوا سَيِّئَاتِهِمْ ، وَضَمَنْتَ لَهُمْ أَنْ لَا يَضِيعَ مِنْ حَسَنَاتِهِمْ ، ثُمَّ مَضَى وَمَضَيْنَا مَعَهُ حَتَّى أَتَى حَلَقَةً مِنْ تِلْكَ الْحَلَقِ ، فَوَقَفَ عَلَيْهِمْ ، فَقَالَ : مَا هَذَا الَّذِي أَرَأَيْتُمْ تَصْنَعُونَ ؟ قَالُوا : يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَصَا نَعُدُّ بِهِ التَّكْبِيرَ وَالتَّهْلِيلَ وَالتَّسْبِيحَ . قَالَ : فَعْدُوا سَيِّئَاتِكُمْ ، فَإِنَّا ضَامِنٌ أَنْ لَا يَضِيعَ مِنْ حَسَنَاتِكُمْ شَيْءٌ ، وَيَحْكُمُ يَأْمَةً مُحَمَّدٍ ! مَا أَسْرَعَ هَلَكَتِكُمْ ! هَلْوَ لَاءِ صَحَابَةِ نَبِيِّكُمْ ﷺ مُتَوَافِرُونَ ، وَهَذِهِ ثِيَابُهُ لَمْ تَبَلْ ، وَآيَتُهُ لَمْ تَكْسُرْ ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ! إِنَّكُمْ لَعَلَى مِلَّةٍ هِيَ أَهْدَى مِنْ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ أَوْ مُفْتَتِحُو بَابِ صَلَاةٍ ! ؟ قَالُوا : وَاللَّهِ ! يَا أَبَا

عَبْدِ الرَّحْمَنِ، مَا أَرَدْنَا إِلَّا الْخَيْرَ. قَالَ: وَكَمْ مِنْ مُرِيدٍ لِلْخَيْرِ لَنْ يُصِيبَهُ، إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حَدَّثَنَا أَنَّ قَوْمًا يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يَجَاوِزُ تَرَافِيَهُمْ، وَأَيُّمَ اللَّهِ! مَا أَذْرِي لَعَلَّ أَكْثَرَهُمْ مِنْكُمْ، ثُمَّ تَوَلَّى عَنْهُمْ. فَقَالَ عَمْرُو بْنُ سَلَمَةَ: رَأَيْنَا عَامَّةَ أُولَئِكَ الْحَلْقِ يُطَاعُونَا يَوْمَ النَّهْرِ وَإِنْ مَعَ الْخَوَارِجِ.

ہمیں حکم بن المبارک نے روایت بیان کی، (کہا): ہمیں عمرو بن یحییٰ نے روایت بیان کی، کہا: میں نے اپنے والد (یحییٰ بن عمرو بن سلمہ الہمدانی) کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنا، انھوں نے اپنے والد (عمرو بن سلمہ الہمدانی) سے، انھوں نے کہا: ہم صبح کی نماز سے پہلے (سیدنا) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازے کے پاس بیٹھتے تھے، پھر جب وہ باہر تشریف لاتے تو ہم پیدل چل کر ان کے ساتھ مسجد جایا کرتے تھے۔

پھر (ایک دن) ہمارے پاس (سیدنا) ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو کہا: کیا ابو عبدالرحمن (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) تمہارے پاس باہر تشریف لائے ہیں؟ ہم نے کہا: ابھی تک نہیں آئے۔ پھر وہ ہمارے پاس بیٹھ گئے، حتیٰ کہ آپ (سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ) باہر تشریف لائے۔ پھر جب وہ آئے تو ہم سب (مسجد کو پیدل جانے کے لئے) کھڑے ہو گئے اور آپ کے پاس گئے تو (سیدنا) ابو موسیٰ (رضی اللہ عنہ) نے آپ سے کہا: اے ابو عبدالرحمن! میں نے تھوڑی دیر پہلے مسجد میں ایک چیز دیکھی ہے، جسے میں نے ناپسند کیا ہے اور الحمد للہ میری نیت خیر کی ہی ہے۔ انھوں (سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: وہ کیا ہے؟

(ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ) نے کہا: آپ اگر زندہ رہے تو عنقریب دیکھ لیں گے۔ (ان شاء اللہ) میں نے مسجد میں کچھ لوگوں کو دیکھا ہے، وہ نماز کے انتظار میں حلقوں کی صورت میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ہر حلقے میں ایک آدمی (ان کا سربراہ) ہے۔ لوگوں کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں۔ پھر وہ (سربراہ) آدمی کہتا ہے: سو دفعہ اللہ اکبر کہو، تو وہ سو دفعہ اللہ اکبر کہتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے: سو دفعہ لا الہ الا اللہ پڑھو، تو وہ سو دفعہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے: سو دفعہ سبحان اللہ کہو تو وہ سو دفعہ سبحان اللہ کہتے ہیں۔ انھوں (سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ) نے پوچھا:

آپ نے اُن سے کیا کہا ہے؟ انھوں (سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ) نے جواب دیا: میں نے آپ کی رائے یا آپ کے حکم کا انتظار کرتے ہوئے انھیں کچھ بھی نہیں کہا۔ انھوں نے فرمایا: آپ نے انھیں یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ اپنے گناہ شمار کریں اور یہ ضمانت کیوں نہیں دی کہ ان کی نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی۔ پھر وہ چلے تو ہم بھی آپ کے ساتھ چلے حتیٰ کہ وہ ان حلقوں میں سے ایک حلقے کے پاس پہنچے تو وہاں کھڑے ہو کر اُن سے پوچھا: تم لوگ یہ کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: اے ابو عبد الرحمن! ہم کنکریوں پر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ پڑھ رہے ہیں۔ انھوں (سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: پس تم اپنے گناہ شمار کرو اور میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمھاری نیکیوں میں سے کچھ بھی ضائع نہیں ہوگا۔

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اُمتیو! تمھاری خرابی ہو، تم کتنی تیزی سے ہلاک و برباد ہو رہے ہو۔ دیکھو! تمھارے نبی ﷺ کے یہ صحابہ کثرت سے موجود ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کپڑے ابھی تک بوسیدہ نہیں ہوئے اور آپ جو برتن استعمال کرتے تھے وہ ابھی تک نہیں ٹوٹے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کیا تم ایسی ملت پر ہو جو محمد ﷺ کی ملت سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا کہ تم گمراہی کے دروازے کھولنے والے ہو؟!

انھوں نے کہا: اے ابو عبد الرحمن! اللہ کی قسم! ہمارا ارادہ تو صرف خیر کا ہی تھا۔ انھوں (سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو خیر کا ارادہ رکھتے ہیں اور خیر سے محروم رہتے ہیں۔ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جو حدیث سنائی کہ کچھ لوگ قرآن پڑھیں گے، وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور اللہ کی قسم! مجھے پتا نہیں کہ شاید ان لوگوں میں تمھاری کثرت ہو۔ پھر وہ ان سے ہٹ کر چلے گئے۔ عمرو بن سلمہ نے کہا: ان حلقوں والے عام لوگوں کو میں نے دیکھا، وہ جنگِ نہروان والے دن خوارج کے ساتھ مل کر ہم سے جنگ کر رہے تھے۔ (سنن دارمی ج ۱ ص ۲۸۶-۲۸۷ باب فی کراہیۃ اخذ الرأی، وسندہ حسن)

اس روایت کے راویوں کا مختصر تذکرہ و توثیق درج ذیل ہے:

۱) ابوصالح الحکم بن المبارک الباہلی البغی الخاشی الخواشتی رحمہ اللہ (متوفی ۲۱۳ھ)

میرے علم کے مطابق آپ کی توثیق درج ذیل ہے:

- ۱: حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (۱۹۵/۸)
- ۲: امام ترمذی نے ان کی بیان کردہ ایک منفرد اور ضعیف السند روایت کے بارے میں فرمایا: ”هذا حديث حسن غريب“ (ح ۲۲۳۸ باب ماجاء فی علامات خروج الدجال) ثابت ہوا کہ وہ امام ترمذی کے نزدیک وہ صدوق و حسن الحدیث راوی تھے۔
- ۳: یاقوت بن عبد اللہ الحموی الرومی البغدادی اللادیب نے فرمایا: ”وكان ثقة“ (معجم البلدان ۲/۳۳۸ خاست)
- ۴: حافظ ذہبی نے فرمایا: ”ثقة“ (الکشف ۱/۱۸۳ ات ۱۱۹۸)
- ۵: حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: ””صدوق ربما وهم““ (تقریب التہذیب: ۱۲۵۸)
- ایسا راوی حسن الحدیث ہوتا ہے، بشرطیکہ جمہور محدثین نے اس کی توثیق کی ہو۔
- ۶: ابوعبد اللہ محمد بن اسحاق بن منہدہ الاصبہانی رحمہ اللہ (متوفی ۳۹۵ھ) نے فرمایا: ”أحد الثقات“ وہ ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں۔ (فتح الباب فی الکئی والالقب ص ۴۳۳ ت ۳۹۲۸)
- ☆ ابوسعید عبد الکریم بن محمد بن منصور السمعانی (متوفی ۵۲۲ھ) نے حکم بن المبارک کے بارے میں امام احمد بن حنبل کا قول نقل کیا: ”هو عندنا ثقة“ (الانساب ۲/۳۰۹، الخاشی)
- یہ قول با سند صحیح ثابت نہیں۔

جمہور کی اس توثیق و تعدیل کے مقابلے میں حافظ ابن عدی کا درج ذیل قول ہے:

”هذا الحديث رواه نعيم بن حماد عن عيسى والحديث له وأنكره عليه ، وسرقه منه جماعة منهم : عبد الوهاب (بن) الضحاك وسويد بن سعيد وأبو صالح الخراساني الخاستي والحكم بن المبارك...“

(اکال فی ضعفاء الرجال ۱/۱۸۹، دوسرا نسخہ ۳۰۴)

اس عبارت میں امام ابن عدی نے حکم بن مبارک پر سرقة الحدیث (احادیث چوری کرنے) کا سنگین الزام لگایا ہے اور خود انھوں نے دوسری جگہ فرمایا:

”وہذا إنما يعرف بنعيم بن حماد ورواه عن عيسى بن يونس فتكلم الناس فيه مجراه ثم رواه رجل من أهل خراسان يقال له الحكم بن المبارك يكنى أبا صالح الخواشتي، يقال انه لا بأس به، ثم سرقة قوم ضعفاء ممن يعرفون بسرقة الحديث منهم: عبد الوهاب بن الضحاك والنضر بن طاهر وثالثهم سويد الأنباري.“ (الکامل ۳/۱۲۶۵، دوسرہ نسخہ ۲/۲۹۸)

اس عبارت میں حافظ ابن عدی نے حکم بن المبارک کو سرقة الحديث کی تہمت سے باہر نکالا اور ”لا بأس به“ قرار دیا، لہذا جرح و تعدیل والے دونوں اقوال باہم متعارض ہو کر ساقط ہو گئے اور اگر متعارض نہ بھی ہوتے تو جمہور کی توثیق کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام ابن عدی کا پہلا قول منسوخ ہو اور دوسرا قول (بعد میں ہونے کی وجہ سے) نسخ ہو۔ واللہ اعلم

خلاصۃ التحقيق: حکم بن المبارک موثق عند الجمہور ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث راوی ہیں۔

اختصار اور تفصیل کے ساتھ درج ذیل راویوں نے حکم بن المبارک کی متابعت کر رکھی ہے:

اول: علی بن الحسن بن سلیمان الحضرمی (تاریخ واسط لاسلم بن سہل الواسطی ص ۱۹۸-۱۹۹)

دوم: امام ابو بکر بن ابی شیبہ (المصنف ۱۵/۳۰۶ ج ۷ ص ۳۷۸)

۲) عمرو بن یحییٰ رحمہ اللہ (دیکھئے سنن دارمی، نسخہ حسین سلیم اسد ۱/۲۸۶-۲۸۷ ج ۲ ص ۲۱۰)

سنن دارمی کے بعض نسخوں میں ”عمرو بن یحییٰ“ ہے جو کہ خطا ہے، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ سے ثابت ہے۔ (نیز دیکھئے السلسلۃ الصحیحہ للالبانی ۵/۱۲ ج ۲ ص ۲۰۰۵)

عمرو بن یحییٰ بن عمرو بن سلمہ الہمدانی کے بارے میں جرح و تعدیل کے اقوال درج ذیل ہیں:

۱: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ”صالح“ (کتاب الجرح والتعدیل ۶/۲۶۹)

اس کے مقابلے میں ابن عدی نے احمد بن ابی یحییٰ (الانماطی البغدادی) کی سند سے نقل کیا

کہ یحییٰ بن معین نے فرمایا: ”لیس بشی“ (اکمال ۵/۱۷۷، دوسرا نسخہ ۶/۲۱۵)
ابو بکر احمد بن ابی یحییٰ الانماطی کے بارے میں حافظ ابن عدی نے فرمایا:
”ولأبی بکر بن أبی یحییٰ هذا غیر حدیث منکر عن الثقات ، لم أخرجه
ها هنا وقد روى عن یحییٰ بن معین وأحمد بن حنبل تاریخاً فی الرجال .“
(اکمال ۱/۱۹۹، دوسرا نسخہ ۱/۳۲۲)

ابراہیم بن اورمہ الاصبہانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”أبو بکر بن أبی یحییٰ کذاب“
(اکمال ۱/۱۹۸، وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۱/۳۲۲)
اسے ابن الجوزی نے کتاب الضعفاء والمتر وکین (۱/۹۲ ت ۲۷۲) میں ذکر کیا اور ذہبی نے
فرمایا: ”بغدادی متهم“ (دیوان الضعفاء والمتر وکین ۱/۳۸ ت ۱۲۲)
ثابت ہوا کہ امام ابن معین کی طرف منسوب یہ جرح، غیر ثابت ہونے کے وجہ سے
مردود ہے۔

تنبیہ: احمد بن ابی یحییٰ کا شاگرد ابن ابی عصمہ العکمری مجہول الحال ہے، لہذا یہ سند
ظلمات ہے۔

لیث بن عبدہ سے روایت ہے کہ یحییٰ بن معین نے فرمایا: ”عمرو بن یحییٰ بن سلمہ ،
سمعت منه ، لم یکن یرضی“ (اکمال ۵/۱۷۷، دوسرا نسخہ ۶/۲۱۵)
لیث بن عبدہ المصری البصری المروزی شیخ الطحاوی کی توثیق نامعلوم ہے، لہذا یہ جرح بھی
ثابت نہیں۔

☆ ابن عدی نے فرمایا: ”وعمر و هذا لیس له کثیر رواية ولم یحضرني له شيء
فأذکره“ (اکمال ۵/۱۷۷، دوسرا نسخہ ۶/۲۱۵)

یہ عبارت نہ جرح ہے اور نہ تعدیل، لہذا توثیق وتضعیف سے خارج ہے۔

☆ کہا گیا ہے کہ ابن خراش (رافضی) نے کہا: ”لیس بمرضی“

(لسان المیزان ۴/۳۷۸، دوسرا نسخہ ۵/۳۳۵)

یہ جرح دو وجہ سے ساقط ہے:

اول: یہ بے سند ہے، ابن خراش سے باسند صحیح ثابت نہیں۔

دوم: ابن خراش رافضی تھا۔

۲: حافظ ابن حبان نے عمرو بن یحییٰ مذکور کو کتاب الثقات میں داخل کیا ہے۔ (۸/۲۸۰)

☆ حافظ ابن الجوزی نے امام یحییٰ بن معین وغیرہ کی طرف غیر ثابت جرح کی بنیاد پر عمرو بن یحییٰ کو کتاب الضعفاء والمترکین (۲/۲۳۳ تا ۲۶۰) میں ذکر کیا اور اصل بنیاد کا عدم ہونے کی وجہ سے یہ جرح بھی کالعدم ہے۔

☆ حافظ ذہبی نے بھی عمرو بن یحییٰ کو ابن معین کی طرف غیر ثابت جرح کی وجہ سے دیوان الضعفاء والمترکین (۲/۲۱۲ تا ۳۲۲) وغیرہ میں ذکر کیا اور اصل بنیاد منہدم ہونے کی وجہ سے یہ جرح بھی منہدم ہے۔

خلاصۃ التحقيق: حافظ ذہبی اور حافظ ابن الجوزی کی جرح مروج ہے اور ابن حبان و ابن معین کی توثیق کی وجہ سے عمرو بن یحییٰ صدوق حسن الحدیث راوی ہیں۔

۳) یحییٰ بن عمرو بن سلمہ الہمدانی کے بارے میں امام عجل نے فرمایا: ”کوفي ثقة“

(التاريخ المشهور بالثقات: ۱۹۹۰)

ان سے شعبہ نے روایت بیان کی۔ (کتاب الجرح والتعديل ۱۷۶/۹)

اور شعبہ (اپنے نزدیک، عام طور پر) صرف ثقہ سے روایت کرتے تھے۔

(تہذیب التہذیب کا مقدمہ ج ۱ ص ۱۰)

امام یعقوب بن سفیان الفارسی کی کتاب المعرفة والتاریخ میں یحییٰ بن عمرو بن سلمہ کے بارے میں لکھا ہوا ہے: ”لا بأس به“ (ج ۳ ص ۱۰۴)

خلاصۃ التحقيق: یحییٰ بن عمرو بن سلمہ ثقہ و صدوق تھے۔

۴) عمرو بن سلمہ بن خرب الہمدانی الکوفی الکندی: ثقة (تقریب التہذیب: ۵۰۴۱)

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ امام دارمی کی بیان کردہ سند حسن لذاتہ ہے اور خفیوں کے ایک

فقہ ابن عابدین شامی نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت مذکورہ کو درج ذیل الفاظ میں صحیح قرار دیا ہے:

”لما صح عن ابن مسعود أنه أخرج جماعة من المسجد يهللون و...“
(رد المحتار علی الدر المختار ۵/۲۸۱-۲۸۲ باب الاستبراء وغیرہ)

سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے: ”قلت بسند صحيح“
(راہ سنت ص ۱۲۳، طبع نهم ۱۹۷۵ء)

اب اس روایت کے بعض شواہد پیش خدمت ہیں:

۱: ”أسد عن عبد الله بن رجاء عن عبيد الله بن عمرو عن يسار أبي الحكم أن عبد الله بن مسعود حدث ...“
(البدع والنهي عنهما تحقيق عمرو بن عبد المنعم بن سليم: ۲۱)

یہ سند منقطع ہے اور یسار ابو الحکم کی توثیق معلوم نہیں، لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

۲: ”نا محمد بن سعيد قال: نا أسد بن موسى عن يحيى بن عيسى عن الأعمش عن بعض أصحابه...“ (البدع والنهي عنهما: ۲۳)

اعمش مدلس ہیں اور ”بعض اصحابہ“ مجہول ہیں، لہذا یہ سند بھی ضعیف ہے۔

۳: ”نا أسد عن محمد بن يوسف عن الأوزاعي عن عبد الله بن أبي لبابة...“
یہ سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۴: محمد بن وضاح قال: ”نا موسى بن معاوية عن عبد الرحمن بن مهدي عن سفيان عن سلمة بن كهيل عن أبي الزعراء قال...“ (البدع والنهي عنهما: ۲۷)

کہا جاتا ہے کہ امام سفیان ثوری کی سلمہ بن کھیل سے روایت قوی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ: کتاب البدع والنہی عنہا کے راوی ابو القاسم اصبح بن مالک بن موسی القرطبی رحمہ اللہ کے بارے میں حافظ ابو الولید عبد اللہ بن محمد بن یوسف الازردی: ابن الفرزی نے فرمایا: ”وكان ابن وضاح يجلّه ويعظمه... وكان إماماً في قراءة نافع، وكان

عابدًا زاهدًا يجتمع إليه أهل الزهد والفضل ويسمعون منه ، توفي (رحمه الله) بيشتر سنة أربع و ثلاث مائة ذكره أحمد وقال الرازي : توفي يوم الاثنين لثلاث خلون من رجب سنة تسع وتسعين و مائتين .“

(تاریخ العلماء والرواة للعلم بالاندلس ۱/۹۵ ت ۲۵۰)

ابن عذارى نے (وفیات ۲۹۹ھ کے تحت) کہا: ”وفیہا توفي أصبغ بن مالک الزاهد الفقیہ .“ (البيان المغرب فی اخبار الاندلس ۱/۲۰۴، مکتبہ شاملہ)

حافظ ذہبی نے فرمایا: ”أصبغ بن مالک أبو القاسم المالکی الزاهد نزیل قرطبة ، أصله من قبرة وصحب ابن وضاح أربعين سنة وكان ابن وضاح يجعله و يعظمه وسمع من ابن وضاح وابن القزاز وكان إماماً في قراءة نافع ...“

(تاریخ الاسلام ۲۳/۱۳۸، وفیات ۳۰۱-۳۱۰ھ)

ابن الجری (متوفی ۸۳۳ھ) نے لکھا ہے: ”الزاهد ... توفي سنة أربع وثلاثمائة“ (غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء ۱/۱۷۱ ت ۷۹۹)

محمد بن حارث بن اسد الخشني القيرواني کی طرف منسوب مشکوک کتاب : اخبار الفقهاء والمحدثين میں لکھا ہوا ہے: ”وكان عابداً زاهداً ورعاً خيراً ... وكان ابن وضاح له مكرماً معظماً ...“ (ص ۲۹ ت ۴۴)

خلاصہ یہ ہے کہ اصبح بن مالک القربطی صدوق حسن الحدیث راوی ہیں اور ان پر کسی محدث یا مستند عالم کی کوئی جرح ثابت نہیں۔

اس شاہد کے ساتھ سنن داری والی روایت صحیح لغیرہ ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو اپنے السلسلۃ الصحیحہ میں ذکر کیا ہے۔ (۵/۱۱-۱۲ ج ۲۰۰۵)

آل بریلی کا مذہب ضعیف و موضوع روایات پر قائم ہے اور ان کے اصول پر بھی یہ روایت پانچ سندوں کے ساتھ حسن لغیرہ یا صحیح لغیرہ یعنی حجت ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۵/فروری ۲۰۱۲ء حضرو)



حافظ زبیر علی زئی

ابو یعلیٰ عبد اللہ بن عبد الرحمن بن یعلیٰ بن کعب الطافی الشقی

جرح و تعدیل کے لحاظ سے عبد اللہ بن عبد الرحمن الطافی کا مختصر و جامع تذکرہ درج ذیل ہے:

جرح

۱: ابو حاتم الرازی

(قال : و ليس هو بقوي ، هو لين الحديث بابة طلحة بن عمرو و عمرو بن راشد و عبد الله بن المؤمل) كتاب الجرح والتعديل ۵/ ۹۷

۲: ابن الجوزی (ذكره في الضعفاء والمتروكين) ۲/ ۱۳۰

۳: الذہبی (ذكره في المغنی فی الضعفاء)

۴: نسائی (قال : ليس بالقوي) الضعفاء والمتر وكون: ۳۲۰

۵: طحاوی (قال : و ليس عندهم بالذي يحتج بروايته) شرح معانی الآثار ۴/ ۳۳۳ شاملہ

☆ دارقطنی (قال : طائفي يعتبر به) سوالات البرقانی: ۲۵۸

یہ جملہ کبھی جرح ہوتا ہے اور کبھی تعدیل ہوتا ہے، لہذا اس سے استدلال میں نظر ہے۔

☆ بخاری (امام بخاری سے فیہ نظر کا قول نقل کیا گیا ہے، لیکن یہ طافی پر جرح نہیں

بلکہ ان کی بیان کردہ ایک ضعیف السند روایت پر جرح ہے۔ یعنی فی حدیثہ نظر)

☆ ابن شاہین ذکرہ فی الثقات و تکلم فیہ أيضاً فی مقام آخر فتعارض

قولہ فیہ فتساقط . ابن شاہین نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا اور دوسرے مقام پر

ان میں کلام کیا، لہذا ان کا قول متعارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہے۔

(انظر اکمال تہذیب الکمال لمغلطائی ۸/ ۳۷ لتوثیقہ و جرحہ فیہ)

تعديل

- ١: مسلم (روى له في صحيحه) ح ٣١٨٥ مكتبة شاملة/ ح ٢٢٥٥، ترمذى فواد عبد الباقي
- ٢: ابن حبان (ذكره في الثقات) ٢٠/٤ ت ٨٩١٣
- ٣: عجل (قال: ثقة) التاريخ المشهور بالثقات: ٩٢٨
- ٤: يحيى بن معين (قال: صالح) كتاب الجرح والتعديل ٥/٩٤ ت ٢٢٨ وسنده صحيح وقال: ليس به بأس يكتب حديثه (الكامل لابن عدى ٢/١٦٤، وسنده صحيح)
- وقال: صويلح (تاريخ عثمان بن سعيد الدارمي: ٣: ٢٤٣)
- ٥: ابن عدى (قال: فأما سائر أحاديثه فإنه يروي عن عمرو بن شعيب أحاديث مستقيمة وهو ممن يكتب حديثه) (الكامل ٢/١٦٤)
- ٦: الذهبي (ذكره في: من تكلم فيه وهو موثق)
- ٧: بخارى (صحح له) السنن الكبرى للبيهقي (٣/٢٨٦) العلل الكبير المنسوب إلى الترمذى ١/١٩٠، وقال البخاري: مقارب الحديث .
- ٨: ترمذى (حسن له) سنن ترمذى: ١٢٨٩، باب ماجاء في الشفعة
- ٩: بغوى (صحح له) شرح السنة باب الشعر والرجز حديث إن أصدق كلمة الخ ٨٠٣/١
- ١٠: ابن خزيمة (روى له في صحيحه) صحيح ابن خزيمة: ١٤٤٨
- ١١: بوسرى (صحح له) زوائد ابن ماجه: ٤٠٢
- ١٢: يثشي (وثقه) انظر المعجم الكبير للطبراني ٩/٣٤٢، مجمع الزوائد ٩/٣، والسلسلة الصحيحة: ٢٩١٨
- ☆ مغلطى حنفى (قال في حديثه: هذا حديث إسناده صحيح ...)
- شرح سنن ابن ماجه ٥/١٠٤ ح ١١١، باب النهى عن النوم قبل صلوة العشاء

۱۳: ابن کثیر (قال فی حدیثہ: هذا إسناد حسن) مقدمہ تفسیر ابن کثیر ۵۰/۱ حدیث
ابی داود: ۱۳۹۳، وابن ماجہ: ۱۳۴۵

۱۴: ابن خلفون (نقل عن ابن المديني بأنه و ثقہ) بحوالہ تہذیب التہذیب، وذكره
فی الثقات/ اکمال تہذیب الکمال لمغلطائی ۸/۳۶

۱۵: ابوعوانہ (خرج حدیثہ فی صحیحہ) اکمال تہذیب الکمال لمغلطائی ۸/۳۶

۱۶: ابن حجر العسقلانی

(حسن لى فى نتائج الأفكار ۱۶۵-۱۶۶، حدیث: أنه طرأ علی حزبی القرآن)

وقال فى التقریب: ”صدوق یخطئ ویهم“ ۳۸۰۶/

خلاصۃ التحقیق: جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے عبد اللہ بن عبد الرحمن
الطائفی صدوق حسن الحدیث راوی ہیں اور عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے ان کی
روایت خاص طور پر حسن لذاتہ ہوتی ہے۔ (۲۷/ جنوری ۲۰۱۲ء)

حوالے

۱: عینی حنفی نے لکھا ہے: ”لأن عمل الراوي بخلاف روايته يدل على أن ما
رواه منسوخ“ کیونکہ راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا، اس بات پر دلالت
کرتا ہے کہ اس کی بیان کردہ روایت منسوخ ہے۔ (نخب الأفكار ۴/۳۴۱)

۲: مؤمل بن اسماعیل نے سفیان ثوری سے ایک حدیث بیان کی اور اس حدیث کے
بارے میں عینی نے لکھا ہے: ”وهذا إسناد صحيح“ (نخب الأفكار ۴/۳۶۸)

۳: عینی نے لکھا ہے: ”إلا مرسل الثقات مقبول يحتج به“ بے شک ثقہ
راویوں کی مرسل روایت (ہمارے نزدیک) مقبول حجت ہے۔ (نخب الأفكار ۴/۱۲۳)

۴: عینی نے امام یحییٰ بن معین کے بارے میں لکھا ہے: ”إمام أهل الحديث في
زمانه“ وہ اپنے زمانے میں اہل حدیث کے امام تھے۔ (نخب الأفكار ۳/۳۸۳)

حافظ زبیر علی زئی

ابو حفص عبداللہ بن عیاش القتبانی المصری رحمہ اللہ

جرح و تعدیل کے لحاظ سے امام عبداللہ بن عیاش القتبانی رحمہ اللہ کا مختصر جامع تذکرہ
درج ذیل ہے:

جرح

- ۱: ابو حاتم الرازی (قال: ليس بالميتين صدوق يكتب حديثه وهو قريب من ابن لهيعة) الجرح والتعديل ۱۲۶/۵
- ☆ ابن يونس المصري (قال: منكر الحديث) یہ جرح با سند صحیح ثابت نہیں۔
- ☆ ابوداود (قال: ضعيف) یہ جرح با سند صحیح ثابت نہیں۔
- ☆ نسائی (قال: ضعيف) یہ جرح با سند صحیح ثابت نہیں۔
- ۲: ابن حزم قال: فليس معروفاً بالثقة. (المحلى ۷/۳۵۷)

تعدیل

- ۱: مسلم بن الحجاج (لأنه من رجال صحيح مسلم/ في الشواهد)
- ۲: ابن حبان (ذكره في كتاب الثقات) ۵۱/۷، وروی له في صحيحه [الموارد: ۲۵۵۱] وقال: من ثقات أهل مصر۔
- [مشاهیر علماء الامصار: ۱۵۱۶]
- ۳: ذہبی (قال: الإمام العالم الصدوق) سیر اعلام النبلاء ۳۳۳/۷ وقال: احتج به مسلم والنسائي! حديثه في عداد الحسن۔ [النبلاء ۳۳۳/۷]
- ۴: حاکم (صحیح له)

المستدرک ۲/۴۲۲ ح ۴۳۶۸/۴، ۴۸۳ ح ۴۳۶۶/۴، ۲۵۸ ح ۵۶۵

۵: ابیہمی (حسن له) ارواء الغلیل: ۱۱۳۳

۶: ابن کثیر (وثقه) تفسیر ابن کثیر ۵/۴۳۲ تحت آیه لن ینال اللہ لمحوا ولا دماءها: ۳۷

۷: ابو عوانہ (روی له فی المستخرج)

۲/۲۸۲ ح ۳۱۵۱/۴، ۱۶ ح ۵۸۶۸/۴، ۴۰۱ ح ۹۵

خلاصۃ التحقیق: عبد اللہ بن عیاش القتبانی المصری جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث راوی ہیں۔

ثقة و صدوق راوی کی صرف وہی روایت ضعیف و غیر مقبول ہوتی ہے، جس کے ضعیف و غیر مقبول یا وہم و خطا ہونے پر محدثین کا اجماع ہو۔ (۲۵/جنوری ۲۰۱۲ء)

حوالے

۱: عینی حنفی نے محمد بن اسحاق بن یسار کی ایک حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

”وإسناد حدیث علی حسن، بل صحیح، لأن ابن إسحاق ثقة و لكنه مدلس ولكن قد صرح هنا بالتحديث.“

اور علی (رضی اللہ عنہ) کی حدیث حسن بلکہ صحیح ہے، کیونکہ ابن اسحاق ثقہ ہیں لیکن وہ مدلس ہیں، اور لیکن انھوں نے یہاں سماع کی تصریح کر دی ہے۔ (نخب الافکار/۳۸۳)

۲: عینی نے لکھا ہے: ”وقد عرف أن المدلس غير مقبول ولا محتج به إلا إذا كان بلفظ مبين للاتصال، كما قد وقع في الصحيحين وغيرهما عن قتادة والأعمش والسفيانين وهشيم بن بشير وغيرهم.“

اور (مشہور) معروف ہے کہ مدلس کی روایت غیر مقبول اور ناقابلِ حجت ہوتی ہے الا یہ کہ تصریح سماع کا لفظ ہو، جیسا کہ صحیحین وغیرہما میں قتادہ، اعمش، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور ہشیم وغیرہم کی روایات آئی ہیں۔ (نخب الافکار/۹۲)

حافظ زبیر علی زئی

ساتویں دن کے بعد عقیقہ کرنا، جائز ہے

[بعض علماء کا یہ موقف ہے کہ ساتویں دن کے بعد عقیقہ کرنا جائز نہیں، درج ذیل مضمون ان علماء کا رد ہے۔]

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الأمين، أما بعد:
یہ بالکل صحیح ہے کہ بچہ بچی پیدا ہونے پر ساتویں دن عقیقہ کرنا مسنون ہے، جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے اور اگر ساتویں دن کسی عذر کی وجہ سے عقیقہ نہ ہو سکے تو چودھویں دن اور اگر چودھویں دن نہ ہو سکے تو اکیسویں دن عقیقہ کرنا آثار کی رو سے صحیح ہے اور اگر اکیسویں دن بھی موقع نہ مل سکے تو زندگی میں جب بھی موقع ملے عقیقہ کر لینا چاہئے۔
اس مسئلے کی دو دلیلیں پیش خدمت ہیں:

(۱) امام طبرانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

”حدثنا أحمد قال: حدثنا الهيثم قال: حدثنا عبد الله عن ثمامة عن

أنس: أن النبي (ﷺ) عَقَّ عَنْ نَفْسِهِ بَعْدَ مَا بَعَثَ نَبِيًّا.

انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بے شک نبی (ﷺ) نے نبی مبعوث ہونے کے بعد اپنی طرف سے عقیقہ کیا تھا۔ (المعجم الاوسط ۱/۲۹۸ ح ۸۸۳ شاملہ)

اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے اور یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

۱: مشکل الآثار للطحاوی (۳/۸۸۳ ح ۸۸۳)

عن الحسن بن عبد الله بن منصور الباسي عن الهيثم بن جميل به .

۲: المختار للفضلاء المقدسی (۲/۳۵۱ ح ۱۸۳۳)

من حديث أبي حاتم الرازي: ثنا عمرو بن محمد الناقد: ثنا الهيثم بن جميل به .

۳: المحلی لابن حزم (۵۲۸/۷)

من حدیث ابراہیم بن إسحاق السراج: ثنا عمرو بن محمد الناقد به .

۴: کتاب العیال لابن ابی الدنیا (۶۶۲)

عن عمرو بن محمد الناقد به .

اب اس سند کے راویوں کی مختصر جامع توثیق درج ذیل ہے:

۱: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ صحابی مشہور

۲: ثمامہ (بن عبد اللہ) بن انس رحمہ اللہ

جمہور نے آپ کی توثیق کی ہے، اور آپ صحیح الحدیث و حسن الحدیث راوی ہیں۔

آپ کی بیان کردہ روایات صحیح بخاری (۱۰۱۰، ۹۴۵۳) وغیرہ میں موجود ہیں۔

و قال الحافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ: صدوق .

(تقریب التہذیب: ۸۹۴ ورمز ل/ع/الکتب الستہ)

نیز دیکھئے صحیح البخاری (۹۴، ۹۵، ۱۵۱۷، ۲۳۸۷...)

صحیح مسلم (۲۰۲۸، ترقیم دار السلام: ۵۲۸۶)

۳: عبد اللہ بن المثنیٰ بن انس رحمہ اللہ

آپ جمہور کے نزدیک موثق راوی اور حسن الحدیث ہیں۔

آپ پر بعض کی جرح مرجوح ہے۔

صحیح بخاری میں آپ کی درج ذیل روایات موجود ہیں:

۹۴، ۹۵، ۱۰۱۰، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۲۳۸۷.....

نیز دیکھئے مفتاح صحیح البخاری (ص ۹۴)

۴: یثیم بن جمیل الانطاکی رحمہ اللہ

آپ صحیح بخاری کے راوی اور ثقہ اہل حدیث تھے۔ جمہور نے آپ کی توثیق کی ہے اور

آپ پر امام ابن عدی وغیرہ کی جرح مرجوح و ناقابل سماعت ہے، نیز آپ پر اختلاف کا

الزام باطل ہے۔

۵: یثیم بن جمیل رحمہ اللہ سے یہ حدیث درج ذیل راویوں نے بیان کی ہے:

اول: احمد بن مسعود الدمشقی المقدسی الخياط رحمہ اللہ

آپ سے ابو عوانہ نے صحیح ابی عوانہ میں روایت بیان کی اور ضیاء المقدسی نے آپ کی حدیث کو صحیح قرار دیا، یعنی آپ حسن الحدیث ہیں۔

دوم: حسن بن عبد اللہ بن منصور الباسی رحمہ اللہ

آپ سے امام ابن خزیمہ نے صحیح ابن خزیمہ میں روایت بیان کی (ح ۲۹۲، ۲۳۱۱)

سوم: عمرو بن محمد الناقد رحمہ اللہ

آپ صحیحین کے راوی اور ثقہ حافظ تھے۔

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ یہ سند حسن لذاتہ اور حجت ہے۔

اس حدیث کے بارے میں بعض علماء کی خاص تحقیق درج ذیل ہے:

۱: ضیاء المقدسی نے المختارہ میں اسے درج کر کے صحیح قرار دیا۔

۲: حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: ”فالحديث قوي الإسناد“ پس (یہ) حدیث

بمجاہد سند قوی ہے۔ (فتح الباری ۹/۵۹۵)

حافظ یثیمی کے کلام کے لئے دیکھئے مجمع الزوائد (۴/۹۴ ح ۶۲۰۳)

معاصرین میں سے شیخ البانی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا:

”وهذا إسناد حسن ...“ اور یہ سند حسن ہے۔ (السلسلة الصحيحة ۶/۲۲۵ ح ۲۷۶)

نیز محترم حافظ ابویحییٰ نور پوری حفظہ اللہ نے بھی اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ صاف ثابت ہے کہ اگر کسی وجہ سے ساتویں دن عقیقہ نہ ہو

سکے تو بعد میں جب موقع ملے (مثلاً چالیس سال کے بعد بھی) عقیقہ کرنا جائز ہے اور اسے

ناجائز قرار دینا غلط ہے۔

بعض علماء نے احتمال کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ حدیث نبی کریم ﷺ کی تخصیص

ہے، لیکن اس دعوے پر کوئی صریح دلیل نہیں، لہذا اس دعوے میں نظر ہے۔ واللہ اعلم
(۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((کل غلام مرتہن بعقیقہ)) ہر بچہ اپنے عقیقے کی وجہ سے رہن رہتا ہے۔

(مشقی ابن الجارود: ۹۱۰ وسندہ حسن)

یاد رہے کہ ساتویں روز عقیقہ کرنے والی روایت صحیح ہے اور جس روایت میں چودہ اور
اکیس دن کا ذکر ہے، وہ روایت ضعیف ہے۔ (دیکھئے میری کتاب: توضیح الاحکام ۱۸۳/۲-۱۸۵)
لیکن اس مسئلے پر عطاء بن ابی رباح تابعی اور سلف صالحین کے آثار ثابت ہیں۔
بہتر اور مستحب یہی ہے کہ ساتویں دن عقیقہ کیا جائے، لیکن فقرہ نمبر ۱، فقرہ نمبر ۲ (کل
غلام مرتہن بعقیقہ) اور آثار سلف صالحین کی رو سے ساتویں دن کے بعد بھی عقیقہ کرنا
جائز ہے۔

جب ہر بچہ عقیقے کی وجہ سے رہن رہتا ہے تو ہر رہن کو چھڑانا بھی چاہئے اور شرعی عذر
وغیرہ سے رہ جانے والے انسانوں کو چاہئے کہ جب موقع ملے عقیقہ کر کے بچے کو اس رہن
سے چھڑوا لیں۔

ابن حزم اندلسی نے لکھا ہے:

اگر ساتویں دن عقیقے کا جانور ذبح نہ کر سکے تو اس کے بعد جب بھی اس فرض کی ادائیگی پر
وہ استطاعت رکھے تو ایسا (یعنی بچے کا عقیقہ) کر لے۔ (المکلی ۲۲۶/۱)

اس قول کا کوئی بھی مخالف نہیں، بلکہ (امام احمد بن حنبل، جیسا کہ آگے آ رہا ہے اور)
ابن القیم وغیرہ اس کے مویدین میں سے ہیں اور اس قول کے صحیح ہونے پر (ہمارے علم
کے مطابق) اجماع ہے۔ واللہ اعلم

خلاصۃ التحقیق: اگر کسی عذر کی وجہ سے ساتویں دن عقیقہ کی سنت پر عمل نہ ہو سکے تو پھر
جب بھی زندگی میں موقع ملے عقیقہ کر لینا چاہئے اور یہی رائج و صواب ہے۔

(۲۸/ ستمبر ۲۰۱۱ء)

فوائد:

۱: امام ابو بکر ابن ابی الدینار رحمہ اللہ نے فرمایا:

”حدثنا الحسين بن محمد: ثنا يزيد بن زريع عن حسين المعلم قال: سألت عطاء عن العقيقة، فقال: عن الغلام شاتان و عن الجارية شاة ، تذبح يوم السابع إن تيسر و إلا فأربع عشرة و إلا فأحدى و عشرين .“

حسین (بن ذکوان) المعلم (العوزی البصری المکتب) سے روایت ہے کہ میں نے عطاء (بن ابی رباح) سے عقیقہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: بچے کی طرف سے دو بکریاں اور بچی کی طرف سے ایک بکری ہے، اگر میسر ہو تو ساتویں دن ذبح کی جائے، اور اگر نہ ہو سکے تو چودھویں دن اور (اس میں بھی) اگر نہ ہو سکے تو اکیسویں دن (ذبح کی جائے)۔ (کتاب العیال لابن ابی الدیناص ۲۸ ج ۶۱، مطبوعہ مکتبۃ القرآن للطبع والنشر والتوزیع، القاہرہ مصر، تحقیق مسعد عبد الحمید السعدنی)

اس اثر کی سند صحیح ہے اور راویوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

(۱) ابوعلی الحسین بن محمد بن ایوب الذاریع السعدی البصری رحمہ اللہ

صدوق (تقریب التہذیب: ۱۴۸۰)

ثقة (الکاشف للذہبی: ۱۱۰۶)

انھیں حافظ ابن حبان وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔

(۲) ابو معاویہ یزید بن زریع البصری رحمہ اللہ

ثقة ثبت / من رجال الستة (تقریب التہذیب: ۸۶۸۹)

(۳) الحسین بن ذکوان المعلم العوزی المکتب رحمہ اللہ

ثقة / من رجال الستة،

و أخطأ من قال: ”ربما وهم“

وثقة الجمهور و جرح العقيلي و غیرہ فیہ مردود۔

(۴) عطاء بن ابی رباح القرشی المکی رحمہ اللہ

ثقة فقيه فاضل / من رجال الستة ، و أخطأ من قال : ” إنه تغير بآخره “ ولم يكن ذلك منه ، و كذلك أخطأ من قال : ” لكنه كثير الارسال “ لأنه لا علاقة له هاهنا .

ثقة اور جلیل القدر تابعی امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کے اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ اگر ولادت مولود کے ساتویں دن عقیقہ نہ ہو سکے تو چودھویں اور اکیسویں دن عقیقہ کرنا جائز ہے۔

امام عطاء سے ایک روایت میں آیا ہے کہ ”و إن لم يعق عنه فكسب الغلام عق عن نفسه.“ اور اگر اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو، پھر لڑکا (خود) کمائی کرے تو وہ اپنا عقیقہ خود کرے گا۔ (العیال لابن ابی الدنیا: ۷۰)

اس روایت کے راوی طریف بن عیسیٰ العنبری کی توثیق صرف حافظ ابن حبان (الثقات ۸/۳۲۷) منذری (الترغیب والترہیب ۳/۱۵۱) اور بیہقی (مجمع الزوائد ۹/۱۷۳) سے ثابت ہے لیکن اس توثیق میں نظر ہے۔ واللہ اعلم

۲: امام صالح بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ”و كان يستحب لمن عق عن ولده أن يذبح عنه يوم السابع فإن لم يفعل ففي أربع عشرة فإن لم يفعل [يفعل] ففي إحدى وعشرين“ اور آپ (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) اپنی اولاد میں سے جس کا عقیقہ کرتے تو پسند کرتے کہ ساتویں دن عقیقہ کیا جائے، پھر اگر ایسا نہ ہو تو چودھویں دن، اور اگر یہ (بھی) نہ ہو تو اکیسویں دن۔

(مسائل صالح بن احمد ۲/۲۱۰ فقرہ ۸۳، مطبوعہ دار العلمیہ دہلی الہند، تحفہ المودود ص ۴۸)

محقق کتاب کا تحفہ المودود کو مد نظر رکھتے ہوئے یہی رجحان ہے کہ یہ قول امام احمد کا ہے۔ ابن ہانی نے کہا: میں نے ابو عبد اللہ (احمد بن حنبل) سے نبی ﷺ کی حدیث: ((الغلام مرتہن بعقیقته.)) بچہ اپنے عقیقے (نہ ہونے) کی وجہ سے رہن رہتا ہے، کے بارے میں

پوچھا، اس کا معنی کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ”نعم! سنة النبي ﷺ أن يعق عن الغلام شاتان و عن الجارية شاة، فإذا لم يعق عنه فهو محتبس بعقيقته حتى يعق عنه.“ جی ہاں! نبی ﷺ کی یہ سنت ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری (عقیقہ کی جائے) پس اگر اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو وہ اپنے عقیقے کی وجہ سے گرفتار رہتا ہے حتیٰ کہ اس کا عقیقہ کر دیا جائے۔ (مسائل ابن ہانی ۲/۱۳۰، فقرہ: ۱۷۳۶)

اس اثر سے ثابت ہوا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ مرتہن والی حدیث کی رو سے اکیسویں تاریخ کے بعد بھی عقیقہ کرنے کے قائل تھے اور اس مسئلے میں ابن حزم کا تفرؤ نہیں۔
۳: امام اسحاق بن راہویہ نے فرمایا کہ ساتویں دن عقیقہ کیا جائے (جیسا کہ احمد نے فرمایا)، اور اگر میسر نہ ہو تو چودھویں دن اور اگر میسر نہ ہو تو اکیسویں دن اور یہ سب سنت ہے۔ (مسائل الامام احمد واسحاق، روایۃ الکونج ۲/۳۵۶ فقرہ: ۲۷۹۰، مطبوعہ دار الحجۃ للنشر والتوزیع، جزیرۃ العرب یعنی سعودی عرب)

۴: حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ”والحجة على ذلك حديث سمرة المتقدم: الغلام مرتہن بعقيقته، تذبح عنه يوم السابع و يسمى“ اور (ساتویں دن کے بعد عقیقہ کرنا) اس کی دلیل سمرة (رضی اللہ عنہ) کی حدیث سابق دلیل ہے: بچہ اپنے عقیقے کی وجہ سے رہن رہتا ہے، ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جاتا ہے اور نام رکھا جاتا ہے۔

(تختۃ المودود باحکام المولود ص ۴۹، الفصل الثامن، فی الوقت الذی يستحب فيه العقیقة)

موسیٰ بن احمد بن موسیٰ بن سالم بن عیسیٰ بن سالم المقدسی الحجاوی الکلتانی الصالحی (متوفی ۹۶۸ھ) نے لکھا ہے: ”فإن فات ففي أحد و عشرين ولا تعتبر الأسابيع

بعد ذلك فيعق بعد ذلك في أي يوم أراد ولا تختص العقیقة بالصغير.“
پھر اگر (چودھویں دن) نہ ہو سکے تو اکیسویں دن (عقیقہ کرنا چاہئے) اور اس کے بعد ہفتوں کا کوئی اعتبار نہیں، لہذا جس دن چاہے عقیقہ کر لے اور عقیقہ چھوٹے بچے کے ساتھ مخصوص نہیں۔ (الاقناع فی فقہ الامام احمد ۱/۴۱۱ شاملہ)

نمازوں کی حفاظت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ﴾
اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ (المؤمنون: ۹)

فقہ القرآن:

① ایمان کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ نمازوں کی حفاظت کی جائے، یعنی فرض نمازوں کو ان کے اوقات پر ادا کیا جائے، صحیح عقائد و خلوص نیت کے ساتھ ساتھ سنتِ مطہرہ کا التزام کیا جائے۔ ② اللہ تعالیٰ نے ہر مکلف مسلمان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری (۷۳۷۲) وغیرہ کے دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔ ③ حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن و حدیث اور اجماع سے ثابت دلائل و براہین کا خیال رکھتے ہوئے سنتِ مصطفیٰ (ﷺ) کے مطابق انتہائی خشوع و خضوع سے اور نمازوں کے اوقات کی پابندی کرتے ہوئے ہمیشگی اور دوام کے ساتھ نمازیں پڑھی جائیں۔ فرائض کے ساتھ سنن و نوافل کا بھی خاص خیال رکھا جائے اور کتاب و سنت کی مخالفت سے ہر وقت اجتناب کیا جائے۔

④ وقت پر نماز پڑھنا اللہ کے نزدیک محبوب عمل ہے۔ (صحیح بخاری: ۵۲۷)
دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اول وقت نماز پڑھنا سب سے افضل ہے۔

(صحیح ابن خزیمہ: ۳۲۷ و سندہ صحیح، ہدیۃ المسلمین ص ۲۱ ح ۵)

⑤ تاخیر سے نماز پڑھنا سنت کے بھی خلاف ہے اور یہ منافقین کا طرزِ عمل ہے۔

⑥ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ نماز پڑھتا ہے تو اس کے لئے صرف دسواں حصہ لکھا جاتا ہے، پھر نواں، پھر آٹھواں، پھر ساتواں حتیٰ کہ اس کے لئے پوری نماز کا اجر لکھا جائے۔ (السنن الکبریٰ للنسائی: ۶۱۴ و سندہ حسن، دوسرا نسخہ: ۶۱۷)

حافظ عبدالمنان

کلمۃ الحدیث

تدلیس اور طبقات المدلسین

محمد رفیق طاہر حفظہ اللہ نے پوچھا: مدلس راوی کی ہر معتن روایت مردود ہے الا کہ کوئی قرینہ مل جائے، اس اصول کے تحت طبقات المدلسین کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ نے جواب دیا: اصل تو یہی ہے کہ روایت مردود ہوگی، طبقات تو بعد کی پیداوار ہیں۔ پہلے محدثین میں یہی طریق چلتا رہا ہے کہ سماع کی تصریح مل جائے یا متابعت ہو تو مقبول، ورنہ مردود۔ یہ فلاں طبقہ اور فلاں طبقہ اسکی کوئی ضرورت نہیں، یہ تو بعد کے علماء کی اپنی تحقیقات ہیں، یہ کوئی وزنی اور پکا اصول نہیں ہے۔

محمد رفیق طاہر: کچھ مدلس رواۃ ایسے ہیں جنکے عنعنہ کو متقدمین محدثین نے قبول کیا ہے۔

حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ: وہ تو ضعیف راویوں کو بھی قبول کیا ہے۔ پھر؟

متقدمین محدثین تو ضعیف راویوں کی (مرویات) بھی قبول کر لیتے ہیں، پھر ضعیف راوی بھی ثقہ بن جائے گا؟۔

محمد رفیق طاہر: نہیں

حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ: قبول کرنا یا اس روایت کے مطابق فتویٰ دینا مسئلہ الگ ہے، اور روایت کا صحیح ہونا مسئلہ الگ ہے۔ مسئلہ وہ اجتہاد سے بیان کر رہا ہو، اور ضعیف روایت کے موافق آجائے ممکن ہے کہ وہ اسے دلیل ہی نہ بنارہا ہو۔

محمد رفیق طاہر: پھر مسئلہ تو سیدھا سہا ہی ہے۔

حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ: جی ہاں، یہی سیدھا اور پکا اصول ہے، طبقات سے پہلے والے محدثین والا، کہ مدلس کا عنعنہ مردود ہے۔ 22 شعبان 1431ھ “

(سہ ماہی مجلہ المکرم شمارہ: 13، اپریل تا جون 2012ء ص 32-38)

اعلان: حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۳۳ھ) کی سیرت طیبہ پڑھنے کے لئے دیکھئے مجلہ المکرم (عدد: ۱۳) جامعہ اسلامیہ سلفیہ (مسجد مکرم) ماڈل ٹاؤن، گوجرانوالہ